حکیم پیر ناصر خسرو ق س
اور
روحانیت

یکے از تصنیفات

علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی

رسیرچ ایسوسی ایٹ یونیورسٹی آف مونٹریال
کنیڈا

خانۂ حکمت۔ ادارۂ عارف

حکیم پیر ناصر خسرو ق س

اور

روحانیت

یکے از تصنیفات

علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی

ریسرچ ایسوسی ایٹ یونیورسٹی آف مونٹریال

کنیڈا

خانۂ حکمت ـــــ ادارۂ عارف

۳۔ اے نور ویلا-۲۶۹ گارڈن ویسٹ کراچی ۳ - (پاکستان)

ISW
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ISW
LS
Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science
Knowledge for a united humanity

باطنی پاکیزگی

نورعلی ماجی اور یاسمین نورعلی ماجی کے دونوں فرزند نادر علی اور نسرین کتنے پیارے ہیں، زہے نصیب کہ ان عزیزوں نے امریکا میں رہتے ہوئے ایک علمی نہر کی تعمیر میں تعاون کیا، تاکہ اس سے روحانی آبادی اور باطنی پاکیزگی ہو۔

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

فہرستِ مضامین

نمبرِ شمار	مضامین	صفحہ
۱	حرفِ اوّل	۷
۲	روحانیت	۹
۳	حضرت آدمؑ میں خدا کی روح	۱۲
۴	بنی آدم کی ذریت	۱۹
۵	انسانی روحیں آدمؑ کے ساتھ	۲۲
۶	خلقتِ آدمؑ	۲۳
۷	روح القدس	۲۵
۸	روح القدس اور حزب اللہ	۲۸
۹	روح الامین	۳۰
۱۰	جبرائیل امین	۳۴
۱۱	کلیم اللہ	۳۷
۱۲	روح اللہ	۴۰

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱۳	شرحِ صدر	۴۲
۱۴	کلمہ	۴۵
۱۵	روح یا نور	۵۲
۱۶	قرآنی سوال وجواب	۵۵
۱۷	سوال نمبر ۱، ۲، ۳	۵۶
۱۸	سوال نمبر ۴، ۵، ۶	۶۸
۱۹	سپاسنامہ	۷۷
۲۰	ابجد کے اعداد	۸۳
۲۱	چند علمی سوالات	۸۴

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

حرفِ اوّل

یہ کتابچہ یعنی "پیر ناصر خسرو اور روحانیت" ایک ایسی اہم تقریر پر مشتمل ہے جو "اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان" کے ماہانہ لیکچروں کے سلسلے میں مرتب ہو کر بمورخہ یکم اگست ۱۹۷۷ء اہلِ علم کے ایک خاص اجتماع میں سُنائی گئی تھی، جس میں بعض اہلِ بصیرت نے اس مقالہ کی اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اس کو فوری طور پر شائع کر دیا جائے۔

اگرچہ "پیر ناصر خسرو اور روحانیت" جیسے دشوار اور بے پایان موضوع کو ایک محدود اور مختصر مقالہ میں سمو دینا ایک انتہائی مشکل بلکہ ناممکن کام تھا، تاہم اس میں بقدرِ امکان یہ کوشش کی گئی ہے، کہ روحانیت کے ان رہنما اصولوں کو واضح کر دیا جائے، جو حجتِ خراسان پیر ناصر خسرو قدس اللہ سرہٗ کے نظریئے اور تجربے کے مطابق ہیں، جن کی روشنی میں غور و فکر کرنے کے بعد قاری کو نہ صرف پیر ناصر حکیم کے علوم و معارف کے خزانوں کا راستہ مل سکتا ہے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ اسماعیلی مذہب کے علومِ مخفی اور امام شناسی کا دروازہ بھی کھل سکتا ہے۔

جن حضرات نے تاریخِ عالم کا بغور مطالعہ کیا ہے، وہ اس بات سے بخوبی واقف و آگاہ ہیں کہ ابتدائی انسان اس سیارۂ زمین پر آئے ہوئے زمانہائے دراز گزر چکے تھے، کہ دنیا میں یکے بعد دیگرے مختلف علوم و فنون ظاہر ہوئے، مگر علمِ روحانیت وہ علم ہے جو تاریخِ انسانیت سے بھی زیادہ قدیم ہے، جس کی خاص اہمیت و ضرورت ہر زمانے میں رہی، خصوصاً موجودہ اور آئندہ زمانے میں سب سے زیادہ ضرورت اس کی ہے، جبکہ آفاقی (یعنی مادّی) ترقّی کے معجزات ظاہر ہو چکے ہیں، اور روحانی ترقی کے معجزات ظہور پذیر ہونے والے ہیں جیسا کہ آیۂ کریمہ **سنریھم آیاتنا** (۴۱/۵۳) کا اشارہ ہے۔

اس انقلابی دور میں اسماعیلیوں کے لئے روحانی تعلیم کی اہمیت و ضرورت ہونے کی سب سے بڑی دلیل امامِ زمان حضرت مولانا شاہ کریم الحسینی صلوات اللہ علیہ وسلامہ کا وہ خصوصی ارشادِ گرامی ہے، جس میں انہیں اس امر کی تاکید فرمائی گئی ہے کہ وہ موجودہ دور میں ضروری طور پر اپنے مذہب کی روحانیت و معرفت کو کماحقہ سمجھ لیا کریں۔

دعا ہے کہ خداوند تبارک و تعالیٰ ان سب کو روحانیت و معرفت سمجھنے اور حاصل کرنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائے! آمین یا ربّ العالمین!

فقط احقر العباد

نصیر ہونزائی

۱۸ ستمبر ۱۹۷۰ء

حکیم پیر ناصر خسرو اور روحانیت

روحانیت

ظاہری فلسفیوں میں سے جنہوں نے روحانیت کی جو کچھ تعریف کی ہے اور جس انداز میں روحانیت کا نظریہ پیش کیا ہے اس میں بہت سا اختلاف اور اضطراب پایا جاتا ہے، جس کی وجہ اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ عملی اور حقیقی روحانیت ظاہری علوم کی رسائی سے برتر و بالاتر ہے، لیکن چونکہ اسماعیلی مذہب کی بنیادیں باطنی اور روحانی امور پر قائم اور مستحکم ہیں اور اس میں عملی روحانیت اور معرفت کے تمام ذرائع اور مواقع ہر وقت مل سکتے ہیں، لہٰذا اس مذہب کی ساری تعلیمات روحانیت و معرفت سے معمور اور روحانی لذتوں سے بھرپور ہیں، پس یقینی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ روحانیت کا اصلی نام معرفت ہے۔

چنانچہ اس موضوع میں حضرت پیر ناصر خسرو قدس اللہ سرہٗ کی روحانیت سے ان کی وہ معرفت مراد ہے، جو نورِ امامت کے پہچاننے سے ان کو حاصل ہوئی تھی اور یہ جاننا ضروری ہے کہ انسانِ کامل کی روح ہی نورِ مطلق ہے، یہ

روح دوسری عام انسانی روحوں سے ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے' جو روح القدس یا کہ روح الامین کے نام سے موسوم ہے اور کسی شک وشبہ کے بغیر پیر ناصر خسرو کے نزدیک اسی روح کی روحانیت حقیقی اور اصلی روحانیت ہے اور اسی روحانیت کے ذریعے سے خدا کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے اور پیر صاحب نے اپنی تخلیقات و تصنیفات میں اسی روحانیت کا ذکر فرمایا ہے' چنانچہ آپ اپنی گرانمایہ اور عظیم الشان کتاب "زادالمسافرین" کے کئی صفحات پر اسی جامع حقیقت کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اور امام علیہما السّلام میں انسانی روح کے علاوہ ایک عظیم و برتر روح بھی ہوا کرتی ہے۔ جس کے بہت سے نام ہیں' مثلاً روح القدس' روح الامین' روح اللہ' روح الاعظم' روح الوحی' روح الرّواح' روحِ الٰہی' روحِ عالم' روحِ ملکوتی' روحِ محمدی' روح القرآن' نور' کلمہ' رسول' ذکر وغیرہ۔

پیر صاحب مذکورہ کتاب زادالمسافرین میں فرماتے ہیں کہ پیغمبر اور امام علیہما السّلام کی فرمانبرداری اور اطاعت کرنے سے حقیقی مومنین بھی روح القدس میں زندہ ہو سکتے ہیں اور اس بیان کی صداقت پر آپ یہ قرآنی دلیل پیش کرتے ہیں کہ :- **یٰایھا الذین امنوا استجیبو اللّٰہِ ولرسول اذا دعاکم لما یحییکم (۸/۲۴)**

اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول کی دعوت کو قبول کرو جبکہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلاتے ہیں جو تمہیں زندہ کر دینے والی ہے۔

واضح رہے کہ یہاں جس دعوت کا ذکر آیا ہے وہ دعوت حق ہے' یعنی

ISW
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

آلِ نبی اور اولادِ علی علیہم السّلام کی ظاہری و باطنی دعوت اور وہ چیز جو مومنین کو روح القدس کی زندگی میں زندہ کردینے والی ہے، اسی سلسلے کے اُئمۂ اطہار علیہم السّلام کی ولایت و امامت ہے، پس معلوم ہوا کہ روح القدس ہی وہ حقیقی روح ہے جس کی روحانیت میں خدا کی معرفت اور ابدی نجات پنہان ہے۔

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

حضرتِ آدمؑ میں خدا کی روح

روح اور روحانیت کا تذکرہ بظاہر حضرتِ آدم علیہ السّلام کی تخلیق کے ساتھ ساتھ شروع ہو جاتا ہے، لہٰذا ہم اپنے اس مقالے کا آغاز بھی حضرتِ آدمؑ ہی سے کرتے ہیں، تاکہ اس سے نہ صرف نفسِ مضمون کے بیان کرنے اور سمجھنے میں مدد مل سکے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ آپ کو اس سلسلے میں کہیں نہ کہیں پیر ناصرِ خسرو کی تعلیمات کی معنوی گہرائیوں کا اندازہ بھی ہو، کہ پیغمبروں کے جو جو قصے آپ نے سن رکھے ہیں ان کے متعلق علمائے ظاہر کا اندازِ فکر کیسا ہے اور پیر ناصرِ خسرو کس طریق اور کیسی گہری نظر سے اُن قصوں کی تاویلی حکمتوں کو ظاہر کرتے ہیں۔

چنانچہ حجتِ خراسان حکیم ناصرِ خسرو قدس اللہ سرہٗ کی تعلیمات کی روشنی میں اس مسئلہ سے بحث کی جاتی ہے کہ حضرتِ آدمؑ میں اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنی روح پھونکی؟ اور قرآنِ حکیم کا وہ ارشاد، جس سے یہ سوال پیدا ہوا ہے، یہ ہے :-

فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سٰجدین (۱۵/۲۹، ۳۸/۷۲)

(یعنی تخلیقِ آدم سے قبل اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا): پس جب میں اُسے درست کروں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کو سجدہ کرتے ہوئے گر جانا۔

چنانچہ مذکورہ سوال کا مفصل جواب یہ ہے کہ اس آیۂ مقدسہ میں حضرتِ آدم کی جس تخلیق کا ذکر آیا ہے' اس سے آدم کی جسمانی پیدائش مراد نہیں' بلکہ وہ اس کی روحانی تکمیل ہی ہے اور روحانی تخلیق و تکمیل کے دو مرحلے ہوا کرتے ہیں : پہلا مرحلہ خدا کی روح (یعنی روح القدس) حاصل کرنے کی اہلیت سے متعلق ہے' جسے تزکیۂ نفس یا روحانیت کی عام ترقی کہنا چاہئے اور دوسرا مرحلہ وہ ہے جس میں خدا کی روح پھونکی جاتی ہے' مذکورہ آیت سے یہی مطلب ظاہر ہے کہ حضرت آدمؑ نے پہلے تو عام روحانی ترقی کی اور اس کے بعد روح القدس حاصل کرلی۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

اب رہا یہ سوال کہ آدمؑ میں خدا نے کس طریق سے اپنی روح پھونک دی؟ اور یہ سوال اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ روح ایک غیر مادّی حقیقت ہے' اس لئے وہ ہوا کی طرح ایک سے دوسرے میں پھونکی نہیں جاسکتی' پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدم میں خدا کا روح پھونک دینا تاویلات میں سے ہے اور اس کی تاویل ذیل میں بیان کی جاتی ہے :-

روح ایک لطیف اور بسیط جوہر ہے' جس کی ہمہ گیرو ہمہ رس حقیقت کے مختلف پہلوؤں کو سمجھانے کے لئے اگر اس کائنات کی تمام چیزوں کو ایک ایک کرکے بتا دیا جائے کہ روح ایسی ہے تو پھر بھی روح کی مثالوں کی ضرورت

پوری نہ ہوسکے گی' کیونکہ روح کی حقیقت وکیفیت ایک ایسے عظیم سمندر کی طرح ہے جو نہ صرف اپنے مرکز پر ہے' بلکہ اس نے اپنی مختلف شاخوں کی صورت میں ایک وسیع دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو' جیسے : بادل' بارش' برفِ یخ' چشمہ' ندی' نالہ' دریا' ہوا کی نمی' نباتات' حیوانات وغیرہ کہ یہ تمام چیزیں پانی کی بدولت جاری وساری ہیں' بلکہ یہ پانی کی مختلف شاخیں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ موقع کی موزونیت و مناسبت کے مطابق روح اور روحانیت کی مثالیں مادّی چیزوں سے دی گئی ہیں' تاکہ بقدرِ امکان روحانی معارف وحقائق سمجھائے جاسکیں' چنانچہ آیۂ مذکورہ بالا میں روح القدس کی مثال ہوا سے دی گئی ہے اور ویسے بھی "روح" اور "ریح" کے دونوں لفظ ایک ہی مادّہ کے ہیں' اور اہلِ دانش کے لئے اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ پھونکنے کا ذریعہ سانس ہے اور سانس لینے کا ذریعہ ہوا ہے' یا یوں کہنا چاہئے کہ پھونکنا ہوا کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اب اللہ تعالیٰ کی توفیق ویاری سے حکیم ناصر خسروؔ کے علم و حکمت کی روشنی میں یہ دیکھنا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کو ایک اعلیٰ ترین روح عنایت فرمائی' تو اس کی مثال کن کن وجوہ کی بنا پر پھونکنے سے دی؟ اس کے جواب کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ آدمؑ خدائی روح حاصل کرنے سے پہلے روایات کے ظاہری پہلو کے مطابق مٹی کا ایک بے جان پتلا نہ تھے' بلکہ وہ جیتا جاگتا ایک برگزیدہ انسان تھے' چنانچہ مولانا ھنید علیہ السّلام (جو اس وقت کے امام تھے) کے جسمانی اور روحانی کلام کے ذریعہ حضرت

آدمؑ کا دل و دماغ علمِ الٰہی سے بھرپور ہوا، کیونکہ کسی شخص میں روح پھونکنے کی بہترین صورت یہی ہے کہ ہوا اور سانس سے آواز بنائی جائے اور آواز کے ذریعہ اُس شخص کو علم و حکمت سنادی جائے، کیونکہ علم و عرفان کی غذا کے بغیر کسی کو حقیقی روح نہیں دی جاسکتی، جس طرح جسمانی خوراک کے بغیر حیوانی روح کی تکمیل ناممکن ہے۔

آدم علیہ السّلام میں روحِ قدسی پھونک دینے کا دوسرا اشارہ یہ بتاتا ہے کہ آدم میں خدا کے نور کی جو معمولی سی چنگاری تھی، جو فطری طور پر ہر انسان میں ہوا کرتی ہے، اسی کو روح القدس کی قوت سے ایک مکمل نور کی صورت دے دی گئی، جس طرح پھونک اور ایندھن کے ذریعہ ذرّہ بھر چنگاری سے ایک عظیم آگ روشن کردی جاتی ہے، جو مادّی قسم کا نور ہے۔

اس مثال کا تیسرا مطلب یہ ہے کہ روح القدس کے ذریعہ آدمؑ کے باطن کو پاک و پاکیزہ کردیا گیا، جس طرح سطحِ زمین کی ساری صفائی پانی سے ہوتی ہے اور پانی کی پاکیزگی ہوا کے ذریعہ ہوا کرتی ہے، اور کئی طرح سے ہے مثلاً" : جب ہوا سمندر کے کھارے پانی سے بخارات کو اٹھاتی اور ان کو بادلوں کی شکل میں تبدیل کرتی ہے، تو اُن سے جو بارش برستی ہے اُس کا پانی نہ تو کھارا ہوتا ہے اور نہ ہی کسی طرح کا ناصاف رہتا ہے، بلکہ وہ پاک و پاکیزہ ہوتا ہے، جیسا کہ قرآنِ مجید میں اس کا اشارہ ہے کہ :۔

وانزلنامن السماءماءطھورا(۲۵/۴۸)

"اور ہم نے بلندی سے پاک و صاف پانی اتارا"۔

اس مثال کا چوتھا ممثول یہ ہے کہ حضرت آدمؑ ابوالبشر تھے لہٰذا اُن میں بشری خواہشات کا چراغ پایا جانا کوئی عجیب بات نہ تھی جس میں روشنی کم اور دھواں زیادہ ہوا کرتا ہے، پس حق تعالیٰ نے اپنی رحمت کی پھونکوں سے اُس چراغ کو بجھا دیا اور اس کی جگہ پر ملکوتیت کا پُرنور چراغ روشن کر دیا۔

اب یہ ایک اور سوال ہے کہ حق تعالیٰ نے فرشتوں سے جو فرمایا کہ تم آدم کے لئے سجدہ کرتے ہوئے گر جانا، اس کے کیا معنی ہیں؟ کیونکہ یہی فرمانا کافی تھا کہ تم آدم کے لئے سجدہ کرنا، جبکہ سجدہ کی حالت میں زمین پر سر جھکایا جاتا ہے، خود کو گرایا نہیں جاتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آدمؑ اپنے وقت کے انسانِ کامل تھے اور جب انسانِ کامل میں روح القدس داخل ہوتی ہے، تو خدا تعالیٰ کے امر سے وہ وحدت و کثرت کا بہترین نمونہ بن کر آتی ہے، یعنی وہ ایک بھی ہے اور بے شمار بھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ روح القدس اپنی ذات میں ایک ہونے کے باوجود تمام کائناتی فرشتوں اور کل انسانی روحوں کے نمونوں کا کچھ عجیب قسم کے زندہ ذرّاتِ کی صورت میں اپنے ساتھ لاتی ہے اور یہ معجزانہ ذرات انسان کامل کے دونوں کانوں اور نتھنوں کی راہ سے اُس کے سارے جسم میں گرتے جاتے ہیں، پس فرشتے آدم کے لئے سجدۂ (فرمانبرداری) کرتے ہوئے اسی طرح گرے تھے۔

اب اس حقیقت کی دلیل پیش کی جاتی ہے کہ روح القدس میں کائنات کے سب فرشتوں اور تمام انسانی روحوں کے زندہ نمونے موجود ہوا کرتے

ہیں، یہ ہے، کہ انسان کی تخلیق کے سلسلے میں سب سے پہلے جب روحِ نباتی انسانی جسم بنانا شروع کرتی ہے، تو اس میں اگانے اور نشو ونما دینے کی تمام قوتیں موجود ہوتی ہیں، اس کے بعد جب انسانی جسم میں روحِ حیوانی داخل ہو کر مکمل ہو جاتی ہے، تو وہ دنیا بھر کے حیوانات کی خاصیتوں کی آئینہ دار ہوتی ہے، پھر جب اس میں انسانی روح کا اضافہ ہو جاتا ہے، تو یہ روح رفتہ رفتہ بہت سی انسانی صلاحیتوں کا مجموعہ ہوتی ہے، اور اپنی ذات میں دنیا بھر کے لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے، جیسا کہ انسان کے خواب کی کیفیت سے ظاہر ہے کہ وہ حالتِ خواب میں جس عظیم عالم کو اور اس میں جتنی بے شمار مخلوقات کو دیکھتا ہے وہ دراصل کوئی بیرونی عالم نہیں، بلکہ اپنی روحِ انسانی کی بے شمار صلاحیتوں کا ایک معمولی سا مظاہرہ ہے۔

مذکورہ بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہر عام انسان میں تین ارواح ہیں اور ہر درجہ کی روح اس درجے کا ایک عالم ہے، یعنی روحِ نباتی نباتات کا ایک عالم ہے، جو جمادات پر حاوی ہے، روحِ حیوانی حیوانات کا ایک عالم ہے جو عالمِ نباتات پر محیط ہے اور روحِ انسانی انسانوں کا ایک عالم ہے جو عالمِ حیوانات کو گھیرے ہوئے ہے، چنانچہ ہر کامل انسان (پیغمبر اور امام) میں ان تین روحوں کے علاوہ اور ان سے برتر ایک اور روح ہوا کرتی ہے، جس کا نام روح القدس یا روح الامین ہے اور وہ بھی بذاتِ خود ایک عظیم عالم ہے، جس کو عالمِ ملکوت یا کہ فرشتوں کا عالم کہتے ہیں، جو انسانوں کے عالم کو گھیرے ہوئے ہے، پس معلوم ہوا کہ جب انسانِ کامل میں روح القدس داخل ہوتی

ہے تو وہ فرشتوں اور انسانوں کے عالم کی زندہ اور باشعور تصویریں لے کر آتی ہے۔

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

بنی آدم کی ذرّیت

سورۂ اعراف (۷) آیہ ۱۷۲ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی اولادوں کو لیا اور انہیں ان کی اپنی اپنی ذات پر گواہ قرار دیا اور ان سے پوچھا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں تو ہمارا پروردگار ہے ہم گواہی دیتے ہیں۔

اس ارشادِ الٰہی کے متعلق چند اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ یہ واقعہ خلقتِ آدمؑ سے پہلے کا ہے؟ یا بعد کا؟ اگر یہ واقعہ آدمؑ کے پیدا ہونے سے پہلے کا ہے تو اس میں آدمؑ بنی آدم اور ان کی پشتیں کہاں تھیں؟ اور اگر یہ قصہ تخلیقِ آدم کے بعد کا ہے، تو بنی آدم سے سب لوگ مراد ہیں؟ یا بعض؟ اگر سب لوگ مراد ہیں تو خدا تعالیٰ نے بنی آدمؑ کی اولادوں سے یہ اقرار کہاں اور کب لیا؟ وغیرہ

مذکورہ سوالات کے جوابات یہ ہیں کہ عہدِ الست کا یہ واقعہ خلقتِ آدم کے بعد کا ہے اور بنی آدم سے مراد بالخصوص انبیاء و اولیاء اور ان کے حقیقی

پیرو ہیں اور بالعموم سب لوگ، اور ان کی پشتوں سے ان کی اولادوں کو ہر اس موقع پر لیا جاتا ہے، جبکہ ہونے والے پیغمبرؑ یا امامؑ میں روحِ قدسی پھونکی جاتی ہے، یعنی جبکہ روحانی طور پر نبیؑ یا امامؑ میں نور منتقل ہوا کرتا ہے، جس میں روح القدس کائنات بھر کے فرشتوں اور روحوں کے نمونوں کو زندہ ذرّات کی صورت میں لے کر داخل ہوتی ہے، اسی موقع پر بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولادوں کو بھی لیا جاتا ہے، تا کہ تمام فرشتے اور ارواح اپنے وقت کے پیغمبرؑ یا اپنے عصر کے امامؑ کے نور کا مشاہدہ کریں، کیونکہ اسی مشاہدہ میں حق تعالیٰ کی معرفت کے اسرار پوشیدہ ہیں اور روح القدس کا یہ قیامت خیز عظیم واقعہ انبیاء واولیاء کے وسیلہ سے کامل پیروں اور حقیقی مومنوں کو بھی پیش آتا ہے۔

بیانِ مذکورۂ بالا کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح حضرت آدمؑ کی روحانیت کے بارے میں بتایا جاچکا ہے، کہ جب روح القدس کسی کامل انسان میں داخل ہوتی ہے تو وہ اس وقت تنہا نہیں آیا کرتی، بلکہ اس کے ساتھ تمام ملائکہ اور ساری روحیں بھی آتی ہیں، پھر یہ سب نفوس پہلے تو انسانِ کامل کے جسم میں گرتے ہیں، اس کے بعد اسمِ اعظم کے ذکر، جبرائیل کی تعلیم، میکائیل کی تفہیم، اسرافیل کی موسیقی اور عزرائیل کی تسبیح سے یہ تمام نفوس بلند ہوتے ہوئے پیشانی پر یکجا اور مرکوز ہو جاتے ہیں، جہاں پر روح القدس کی روشنی میں یہ نفوس اپنے آپ کو زندہ اور خدا کے حضور میں حاضر پاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کی نورانیت کا مشاہدہ کرکے اس کی قدرت و ربوبیت کا

اقرار کرتے ہیں۔

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

انسانی روحیں آدمؑ کے ساتھ

سورۂ اعراف (۷) آیہ نمبر ۱۱ میں ارشاد ہے کہ اور یقیناً ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنادی پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔

اس آیۂ کریمہ کی حکمت سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب فرشتے آدمؑ کو سجدہ کر رہے تھے، تو اس وقت سب انسان روحانی طور پر آدمؑ کی پیشانی میں حاضر کئے گئے تھے، کیونکہ اس ارشاد میں سب سے پہلے تمام انسانوں کی خلقت کا ذکر ہے، پھر ان کی روحانی تخلیق کا اشارہ ہے اور آخر میں آدمؑ کو فرشتوں کے سجدہ کرنے کا تذکرہ ہے۔

خلقتِ آدمؑ

ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:۔

خَمَّرْتُ طِینَۃَ آدَمَ بِیَدَیَّ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا

یعنی میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے (مسلسل) چالیس یوم تک ہر صبح تخلیقِ آدم کی مٹی گوندھی۔

ظاہر ہے کہ اس سے آدمؑ کی روحانی تخلیق مراد ہے، جو آدمؑ کی مسلسل عبادت و بندگی کا نتیجہ تھی، خصوصاً اُس وقت کی عبادت کا جو پچھلی رات اور صبح سویرے کر لیا کرتے تھے، جس میں خدا کے دونوں ہاتھ یعنی عقلِ کل اور نفسِ کل ان کی روحانی تخلیق کے لئے کام کرتے تھے اور اسی طرح تخلیقِ آدم کا روحانی گارا چالیس صبحوں میں گوندھا گیا تھا، کیونکہ چالیس کا عدد نہ صرف پیغمبروں کی حیاتِ طیبہ میں روحانی انقلاب کا پیش خیمہ ہے، بلکہ یہ عام انسانوں کی زندگی میں بھی بڑی بڑی تبدیلیاں آنے کی علامت ہے، اور انبیاء

علیہم السّلام کے متعلق چالیس کے عدد کی مثال یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ چالیس راتوں کے اعتکاف کے لئے کوہِ طور پر گئے تھے' اعتکاف کے معنی ہیں مسلسل عبادت پر لگے رہنا' اور آنحضرت صلعم اپنی عمرِ شریف کے چالیسویں سال میں درجۂ نبوت و رسالت پر فائز ہوئے تھے۔

مذکورہ تفصیلات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آدم کی جس تخلیق کے لئے دستِ قدرت نے چالیس یوم تک مٹی کا گارا بنایا تھا' وہ تخلیقِ روحانی تھی' کیونکہ تاویل کی زبان میں مٹی ایمان اور مومن کو کہتے ہیں' یعنی کہنا یہ ہے کہ حضرتِ آدمؑ مومنین میں سے ایک مومن تھے' جو حق تعالیٰ نے ان کو برگزیدہ فرما کر روئے زمین پر اپنا خلیفہ (نائب) مقرر کیا' اور فرشتوں نے قبلاً اسی وجہ سے اعتراض کیا تھا کہ ایک مومن کو نبوت و امامت جیسے منصبِ جلیلہ پر کیوں فائز کر دیا جائے' اور ابلیس نے اسی سبب سے آدمؑ کے لئے سجدہ (یعنی فرمانبرداری) کرنے سے انکار کیا تھا۔

حضرت آدمؑ کے قرآنی قصے میں انتہائی باطن کے اسرارِ الٰہی پوشیدہ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ' خداوند عالم کی مصلحت بینی اسی میں تھی' کہ آدم کو دنیائے انسانیت کا ایک ایسا نمونہ اور مثال قرار دیا جائے' کہ جس کی شخصیت ایک اعتبار سے دورِ جدید کا پہلا انسان ثابت ہو اور دوسرے اعتبار سے بقائی بشری کی لاانتہائی اور دائمی عروج و نزول کی نمائندگی کرے' پس یہی وجہ ہے کہ' قرآن حکیم میں حضرت آدم کے جو حالاتِ زندگی بیان ہوئے ہیں' ان کے دوہرے معنی ہیں جن کو صرف اہلِ توفیق ہی سمجھ سکتے ہیں۔

روح القدس

روح القدس کے لفظی معنی ہیں پاک روح' یہ روح حق تعالیٰ کے اسمِ قدوس کی مظہر ہے' اس لئے یہ خود بھی ہر طرح سے پاک وپاکیزہ ہے' اور ان حضرات کو بھی ہر قسم کی برائی سے پاک رکھتی ہے' جن سے یہ بموجبِ فرمانِ الٰہی علم و حکمت اور رشد وہدایت کی صورت میں ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے' یہی مطلب اس آیۂ کریمہ میں موجود ہے جو اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام کی شان میں ارشاد ہے کہ اے : (پیغمبر کے) اہلِ بیت خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو (ہر طرح کی) برائی سے دور رکھے اور جو پاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک وپاکیزہ رکھے (۳۳/۳۳) پس اسی روحِ قدسی کی وجہ سے ان حضرات کو پنج تن پاک کہا جاتا ہے اور ان برگزیدہ ہستیوں کو پاک رکھنے میں اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ انہیں وحیٔ آسمانی اور علمِ الٰہی کے مراتب عالیہ سے سرفراز فرما کر دنیا والوں کے لئے ذریعۂ ہدایت اور نمونۂ رحمت بنا دیا جائے اور اس بات کا ایک اور قرآنی ثبوت' کہ اللہ تعالیٰ پیغمبرؐ اور امامؑ کے

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

ساتھ خواصِ اہلِ بیتؑ کو بھی روح القدس کے ذریعہ برائیوں سے دور اور پاک رکھتا ہے۔ یہ ہے جو خدا تعالیٰ حضرت مریمؑ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ: اور (وہ وقت قابلِ ذکر ہے) جبکہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم بلاشک تم کو اللہ نے برگزیدہ فرمایا ہے اور برائیوں سے پاک رکھا ہے اور کل جہان کی عورتوں پر برگزیدہ کیا ہے (۳/۴۲) اس کے علاوہ قرآن حکیم میں جتنی آیتیں حضرت عیسیٰؑ کی شان میں آئی ہیں ان میں سے اکثر آیات ایسی ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے "عیسیٰ ابنِ مریم" کہہ کر خطاب فرمایا ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی یہ مادری نسبت محض تعریف و توصیف کے طور پر نمایاں کی گئی ہے، کہ ماں اور بیٹا دونوں روح القدس کی پاک و پاکیزہ زندگی گزارتے تھے اور اسی پاک روح کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو تمام روحانی نعمتیں حاصل تھیں، جیسا کہ قول قرآن ہے کہ : جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ: اے عیسیٰ ابنِ مریم! میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا ہے جبکہ میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی (۵/۱۱۰)۔

اہلِ دانش پر یہ حقیقت واضح اور روشن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی روح (یعنی روح القدس) نہ صرف حضرت آدمؑ میں پھونکی تھی، بلکہ یہ امر خدا کے نزدیک ایک ایسا کلیہ ہے کہ جس میں انبیاء و اولیا علیہم السّلام کے علاوہ حقیقی مومنین بھی شامل ہیں، اس کی ایک مثال سورۂ انبیاء (۲۱) آیت ۹۱ اور سورۂ تحریم (۶۶) آیت ۱۲ میں یہ ہے کہ حضرتِ مریمؑ میں بھی خدا نے اپنی روح پھونکی تھی، حالانکہ حضرتِ مریم پیغمبر اور امام کے بعد کے کسی درجے پر

تھیں۔

جب ہم مذکورہ بالا ارشادات کی روشنی میں غور و فکر اور تحقیق و تدقیق سے کام لیتے ہوئے یہ معلوم کر لینے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیۂ تطہیر میں پنج تن پاک کو "اہلِ بیت" کے خطاب سے مخاطب کر کے گھر کی نسبت کو جس انداز میں نمایاں کر دیا گیا ہے، اس میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اہلِ بیت کا مطلب ہے نبوت کے گھر والے، یعنی پنج تن پاک، یہاں گھر سے رسول اللہ کا وہ روحانی مقام اور درجہ مراد ہے، جس میں آپ پر ہمیشہ وحی نازل ہوا کرتی تھی، پس اہلِ بیت کے حقیقی معنی ہیں وہ پانچ حضرات جو خانۂ روحانیت میں ہم نشین اور علمِ الٰہی میں ہم راز تھے، وہ سب روح القدس کے ذریعہ پاک و پاکیزہ اور یکجان تھے، اور ان کے یک دل و یک جان ہونے کی مثال "آلِ عبا" کے معنی سے ظاہر ہے کہ آلِ عبا کے معنی ہیں چادر والے، اور یہ پنج تن پاک کا لقب ہے، اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے بموجبِ فرمانِ الٰہی آیۂ تطہیر کے نزول کے موقع پر اہلِ بیت کو اپنے ساتھ ایک ہی چادر میں سلایا تھا، جس کے معنی یہ ہیں کہ اگرچہ یہ حضرات جسم کے اعتبار سے پانچ ہیں، لیکن روح کے لحاظ سے ایک ہیں، اور وہ روح القدس ہے، پس پنج تن کے ایک ہی چادر میں لیٹنے اور اسی وقت ان کی شان میں آیۂ تطہیر کے نازل ہونے کی تاویل یہی ہے کہ پنج تن روح القدس کی روحانیت میں سموئے ہوئے ہیں اور ہر طرح کی برائی سے پاک و پاکیزہ ہیں۔

روح القدس اور حزب اللہ

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

قرآنِ حکیم کے دو مقام ایسے ہیں، جہاں اگر کوئی صاحبِ بصیرت مومن غور و فکر سے دیکھے، تو اسے معلوم ہوگا کہ روح القدس کے فیضِ روحانیت اور نورِ تائید حاصل کرنے کے لئے مومن میں کیا کیا اوصاف ہونے چاہئیں، اور گزشتہ مومنین نے کیسی کیسی تنظیم قربانیاں دے کر اس مقصدِ اعلیٰ کو حاصل کر لیا تھا، وہ دو مقام سورۂ مائدہ (۵) کا آٹھواں رکوع اور سورۂ مجادلہ (۵۸) کا آخری رکوع ہیں، یہ دونوں رکوع باہم مل کر ایک ہی موضوع کی تعلیمات پیش کرتے ہیں جو حزب اللہ (یعنی خدا کے گروہ) کا موضوع ہے، اس موضوع میں حزب اللہ ان حقیقی مومنین کو قرار دیا گیا ہے جو صرف خدا، رسولؐ، صاحبِ امر اور مومنین سے سچی محبت اور حقیقی دوستی رکھتے ہیں، جس کے نتیجے پر وہ روح القدس کی روحانیت و نورانیت سے مستفیض ہو جاتے ہیں چنانچہ اس موضوع کے مؤخر الذکر رکوع میں اللہ کا ارشاد ہے:۔

اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ (۵۸/۲۲)

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید فرمائی ہے، ان کے دلوں میں ایمان لکھنے اور انہیں اپنی روح سے مدد دینے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ان مومنین کے دل میں نورِ ایمان اور فیضِ روح القدس کو ایک زندہ اور بولنے والی کتاب کی حیثیت سے مکمل کردیا ہے، جس کی برکت سے حقیقی مومنین، غالب و فاتح اور دین و دنیا میں کامیاب ہوتے ہیں، جیسا کہ خواجہ حافظ شیرازی کا قول ہے:-

فیص روح القدس از باز مدد فرماید
دیگران ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

ترجمہ: روح القدس کا فیض اگر پھر سے مدد کرے، تو دوسرے لوگ بھی وہی کچھ (معجزات) کرکے دکھائیں گے جو کچھ حضرت عیسیٰؑ نے "معجزات" کرکے دکھائے تھے۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

روح الامین

روح الامین' روح القدس اور جبرائیل کا مطلب ایک ہی ہے' اس الٰہی روح کو روح الامین اس لئے کہا گیا ہے' کہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کے بے پایان خزانوں کی امانت دار ہے' جیسے سورہ یوسفؑ میں لفظِ امین کے یہ معنی ظاہر ہیں کہ : بادشاہِ مصر نے حکم دیا' کہ اسے (یعنی یوسف کو) کو میرے پاس لاؤ میں اس کو خاص اپنے (کام کے) لئے رکھوں گا' جس وقت بادشاہ نے یوسفؑ سے باتیں کیں تو بادشاہ نے کہا' کہ تم میرے نزدیک آج (سے) بڑے معزز اور امین (معتبر) ہو یوسفؑ نے کہا اس ملک کے سب خزانوں پر مجھے متعین کردو (اور دیکھو کہ) میں کیسا حفاظت کرنے والا اور وجوہ مصارف جاننے والا ہوں (۵۴ - ۱۲/۵۵) ان دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے' کہ جو شخص قابلِ اعتبار ہو وہی امانت دار بھی ہے اور امانتداری کی مثال مذکورہ دونوں آیتوں سے ظاہر ہے' کہ حضرت یوسفؑ امین کے معنی میں مملکتِ مصر کے کل خزانوں پر متعین تھے۔

اب یقیناً روح الامین کے معنی سمجھنے کے لئے آسانی ہوئی' کہ اس

مقدس روح میں علمِ روحانی اور اسرارِ سبحانی کے تمام خزانے امانت ہیں، تاکہ دنیا والے اپنے وقت کے پیغمبر اور امامؑ کے ذریعے سے اس روحانی علم تک رسا ہو جائیں، یہی سبب ہے، کہ ہر اس پیغمبر نے جس کی تبلیغِ رسالت کا قرآن پاک میں ذکر آیا ہے : "تحقیق میں تمہارے لئے رسولِ امین ہوں" کہہ کر اپنی قوم سے خطاب فرمایا (سورہ ٢٦ کی آیات ١٠٧، ١٢٥، ١٤٣، ١٦٢، ١٧٨، ١٩٣، اور ١٨/ ٤٤) کیونکہ وہ حضرات اپنی روح یا، کہ نور کی نسبت سے علمِ الٰہی اور اسرارِ کماہی کے امین اور خزانہ دار تھے۔

اب اس حقیقت کا ثبوت کہ خدا تعالیٰ کی مختلف چیزوں کے مختلف خزانے ہوا کرتے ہیں، یہ ہے جو خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ١٥/٢١ ۔

اور کوئی چیز ایسی نہیں مگر یہ، کہ ہمارے پاس اس کے خزانے موجود ہیں اور ہم اسے جانے بوجھے ہوئے انداز کے مطابق اتارتے ہیں۔

سورۂ احزاب (٣٣) کے آخری رکوع میں ارشادِ خداوندی ہے، کہ یقیناً ہم نے امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تو ان سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور اسے انسان نے اٹھا لیا، یقیناً وہ بہت تاریک اور بہت نادان تھا۔ اس آیت میں دنیا اور زمانہ بھر کے تمام انسانوں کو ملا کر ایک انسان قرار دیا گیا ہے، جس میں انبیاء و اولیاء اور

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

سب عوام شامل ہیں، کیونکہ انسان کے نام میں بشر کے تمام افراد داخل ہیں، تو سوال پیدا ہوتا ہے، کہ کیا یہ امانت سب انسانوں نے اٹھالی؟ نہیں نہیں صرف انسانِ کامل نے اپنے نور یعنی روح الامین کے ذریعہ اٹھالی، تاکہ وہ خدا کے امر سے دنیائے انسانیت کی تاریکی اور جہالت کو دور کریں۔

پیغمبر اور امامؑ علیہما السلام کے نور یعنی روح الامین کی روحانیت سے مستفیض ہونے کی لازمی شرط یہ ہے، کہ اس نور کے لئے دل و جان سے اطاعت و فرمانبرداری کی جائے، جیسے قرآن میں روح الامین (جبرائیل) کے بارے میں ارشاد ہے کہ: **مطاعٍ ثم امین** (۸۱/۲۱) اس کی اطاعت کی جاتی ہے پھر وہ امانت دار ہے۔ اس فرمانِ الٰہی میں علم و حکمت اور رشد و ہدایت کے خزانۂ امانت سے مستفیض ہونے کی شرط تابعداری اور فرمانبرداری بتائی گئی ہے، جو پیغمبرؐ اور امامِ وقتؑ کے لئے کی جانی چاہئے کیونکہ روح الامین کے مظہر وہی حضرات ہیں۔

اس کے علاوہ روح الامین کے معنی ہیں امن والی روح، جیسے قرآن پاک میں یہ لفظ اس معنی میں بھی آیا ہے کہ: **و ہذا البلد الامین** (۹۵/۳) اور اس امن والے شہر کی قسم۔ نیز ارشاد ہے کہ: **ان المتقین فی مقام امین** ۵۱/۴۴ **یقیناً** پرہیزگار امن والے مقام میں ہوں گے۔ یہ ارشاد بہشت کی تعریف و توصیف کے سلسلے میں ہے، یہاں امن کے معنی ہیں بے خوفی اور اطمینان، پس اس اعتبار سے روح الامین کے معنی ہیں اطمینان والی روح یا کہ مطمئن کردینے والی روح، چنانچہ بزرگوں کے قول کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

اشارہ بھی ہے، کہ اگر نفسِ امارہ کی اصلاح و تزکیہ کیا جائے تو یہ نفسِ لوامہ بن جاتا ہے اور اگر نفسِ لوامہ کی بھی تطہیر و تحلیل ہوئی تو اس سے نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے اور بس یہی نفسِ مطمئنہ بہشت میں داخل ہو سکتا ہے، اس کے معنی یہ ہوئے، کہ نفس کو اس درجے پر جو اطمینان حاصل ہوتا ہے، وہ اس کے روح الامین سے مل جانے کی صورت ہے، کیونکہ اطمینان اور سکون کا سرچشمہ تو وہی ہے۔

ISWLS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

جبرائیل امینؑ

جبرائیل یا کہ جبریل امین علیہ السلام حق تعالیٰ کا ایک مقرب فرشتہ ہے' یہ جلیل القدر فرشتہ قرآن حکیم میں روح القدس اور روح الامین کے نام سے مشہور ہے' جبرائیل عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں عبداللہ یعنی بندۂ خدا' جبرائیلؑ کی ایک عجیب صفت یہ ہے' کہ وہ مقرب فرشتوں میں سب سے زیادہ مہربان اور شفیق ہے' اس کی ایک مثال یہ ہے' کہ جب کوئی حقیقی مومن روحانیت کے رستے پر چلتا رہتا ہے' تو اس میں سب سے پہلے جبرائیل اس کا ہمراہ بن جاتا ہے' پھر میکائیل' اس کے بعد اسرافیل اور سب سے اخیر میں عزرائیلؑ اس کے ساتھ ہو جاتا ہے' اب یہ چاروں مقرب فرشتے اپنی اپنی عجیب و غریب قوتوں کو بروئے کار لا کر مومن کو نہایت ہی آسانی کے ساتھ معراجِ یقین پر پہنچا دینے میں مصروف ہوتے ہیں' یعنی جبرائیلؑ تعلیمی قوت کو استعمال کرتا ہے' میکائیل تاویلی اثر ڈالتا ہے' اسرافیل معجزانہ موسیقی سے محویت طاری کر دیتا ہے اور عزرائیل ذریعۂ فنائیت سے کام لے کر روح

کو پیشانی پر مذکور کردیتا ہے' اسی طرح حقیقی مومن رسول اللہؐ اور امامِ حی و حاضر کی ہدایت کے بموجب اپنے پیروں اور بزرگوں کے نقشِ قدم پر روحانیت کی منزلوں کو طے کرتا جاتا ہے' یہاں تک کہ سب سے پہلے عزرائیل رستہ میں پیچھے رہ جاتا ہے' پھر اسرافیل اور اس کے بعد میکائیل رہ جاتے ہیں' مگر جبرائیل عالمِ جبروت تک مومن کا ساتھ نہیں چھوڑتا' بلکہ انتہائی مہربانی اور شفقت سے اس کی مدد کرتا رہتا ہے' جب حق تعالیٰ کے حکم سے روحانیت کا طالب عالمِ لاہوت کی طرف آگے بڑھنے لگتا ہے' تو اس وقت جبریل امین بھی اس کی ہمراہی سے رہ جاتا ہے' یہ صرف مومن کی پہلی معراج کا قصہ ہے اور اس کے لئے ایسی کئی معراجوں کا امکان ہے۔

حکیمِ ربانی حضرت پیر ناصر خسرو کے نزدیک انسانی عقل ہی وہ فطری صلاحیت ہے' جو ہادیٔ برحق کی ہدایت کے مطابق تعلیم و تربیت پانے کے بعد جبریل امین بن کر خدا تعالیٰ کے حضور سے وحی لاسکتی ہے' چنانچہ پیر نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب زادالمسافرین اور دوسری تصنیفات میں قرآن پاک اور آفاق و انفس کی روشن دلیلوں سے یہ ثابت کردیا ہے' کہ پیغمبر اور امامؑ علیہما السّلام کی اپنی روح ہی جبریل ہے' جس کو روح القدس اور روح الامین بھی کہتے ہیں اور یہی ان کی پاک روح وہ نور ہے' جس کو خداوند عالم نے اپنی روح اور اپنا نور قرار دیا ہے' جس کی وجہ سے یہ دونوں حضرات سارے انسانوں سے ممتاز اور مخصوص ہیں' یہی سبب ہے جو حضرات امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت سے وہ روح (یعنی جبرائیل) آنحضرت صلّی

اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل فرمائی، وہ پلٹ کر نہیں گئی اور وہ ہم (اماموں) میں موجود ہے۔

یہاں پر یہ بات قابلِ ذکر ہے، کہ اگرچہ جبرائیل پیغمبر اور امام علیہما السلام کی اپنی روح کی حیثیت سے ہے، تاہم وہ اپنی خاص ہدایت کے ذریعہ حقیقی فرمانبرداروں میں بھی ان کی کوشش کے مطابق یہ قوت عمل میں لاسکتے ہیں، جیسا کہ صفحۂ عالم پر بھی یہ حقیقت ثبت ہے کہ روحِ نباتی جمادات کو اپنا کر نشو و نما پانے کے قابل بناتی ہے، حیوان نباتات کو اپنا کر روحِ حیوانی کی زندگی بخشتی ہے اور انسان حیوان کو غذا کے طور پر استعمال کرنے کے بعد اپنے ساتھ انسانی روح کی زندگی میں شریک کرلیتا ہے، بالکل اسی طرح پیغمبرؐ اور امامؑ فرمانبردار مومنین کو عبادت و بندگی اور علم و عمل کے ذریعہ اپنے ساتھ ایک کر کے جبریل امین یعنی اپنی روح اور نور کا روحانی مشاہدہ اور تجربہ کراتے ہیں۔

کلیم اللہ

کلیم اللہ کے معنی ہیں خدا سے کلام کرنے والا اور یہ بظاہر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے، کہ آپ اکثر سینا کے پہاڑ پر جا کر اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوا کرتے تھے، مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں، کہ کسی دوسرے پیغمبر کو یہ شرافت و سعادت نصیب ہی نہ ہوئی ہو، کیونکہ اور بھی بہت سے پیغمبر ایسے ہیں جو حق تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے بلکہ انبیاء کے علاوہ اولیاء، پیروں اور حقیقی مومنین کو بھی خداوند عالم سے ہمکلامی کی عزت حاصل ہوتی رہی ہے، چنانچہ اس امرِ واقع کے متعلق جو کچھ سورہ شوریٰ کے آخری رکوع میں ارشاد ہے، اس کا آسان مفہوم یہ ہے کہ: حق تعالیٰ ان لوگوں سے کلام نہیں فرماتا جو روحانیت میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں اور جو لوگ روحانیت کی ترقی پر ہیں، ان سے خدا تعالیٰ اس طرح کلام کرتا ہے کہ روحانیت کا روشن عالم صاف طور پر نظر آنے کے کچھ عرصہ بعد ان کے پاس کوئی فرشتہ (یعنی روح) رسول کے طور پر بھیجتا ہے، وہ رسولِ خدا کی طرف سے روحانی طور پر ان سے کلام

کرتا ہے یا وحی کرتا ہے' پھر اس کے بعد حجاب (پردہ) کے پیچھے سے اللہ تعالیٰ کا نور خود ہے ان سے کلام کرتا ہے اور آخری درجوں پر نورِ الٰہی اپنی اصلی صورت میں ان کے سامنے ظاہر ہو کر ایک مخصوص طریق پر وحی (اشارہ) کرتا ہے' جو حکمتِ بالغہ سے بھرپور اور اسرارِ معرفت سے مملو ہے۔

مذکورہ ارشاد کے بعد آنحضرت صلعم کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:۔

و کذالک اوحینا الیک روحا من امرنا ط ما کنت تدری ما الکتب و لا والایمان و لکن جعلنہ نورا نهدی بہ من نشاء من عبادنا ط و انک لتھدی الی صراط مستقیم۔ ۴۲/۵۲

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے امر سے ایک روح وحی کی آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی' کہ ایمان کا (آخری درجہ) کیا چیز ہے لیکن ہم نے اس (روح) کو نور قرار دیا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت کرتے ہیں اور یقیناً آپ سیدھا راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں۔

اس فرمانِ خداوندی کی وضاحت اس طرح ہے' کہ اے رسول! جس طریق سے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں سے کلام فرماتا ہے' جس کا اوپر ذکر ہوا' اسی طریق پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف بھی عالمِ امر سے ایک خاص روح یعنی روح القدس وحی کردی ہے' اس سے پہلے آپ نہ تو کتابِ کائنات جانتے تھے اور نہ ہی ایمان کے یہ درجات' لیکن ہم نے اس روح القدس کو جو ہمیشہ آپ کے پاس ہے نور بنایا ہے اور یہی وہ نور ہے جس کے ذریعہ ہم ہمیشہ

سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں روحانی طور پر ہدایت کرتے ہیں، پھر وہ بندے ہمارے اذن سے پیغمبرؑ امامؑ پیر وغیرہ کی صورت میں لوگوں کو ہدایت کرتے رہتے ہیں اسی طرح آپ بھی ذاتی طور پر اور اپنے وصی اور اس کے سلسلۂ اولاد کے ذریعہ سیدھا رستہ کی ہدایت کرتے رہے ہیں۔

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

روح اللہ

روح اللہ کے معنی ہیں خدا کی روح، یعنی وہ خاص روح جو امرِ باری سے ہے، کیونکہ سیدنا پیر ناصر خسرو کے نزدیک امر ہی خدا کا تصور اور اس کی وحدانیت ہے اور امر ہی موجوداتِ روحانی و جسمانی کے وجود کا باعث ہے، یہی امر فی نفسہ ایک خاص عالم ہے جو عالمِ امر یا عالمِ وحدت کہلاتا ہے، پس خدا کی روح کہنے کا مطلب یہی ہے، کہ یہ روح جو خاص الخاص ہے عالمِ امر سے آئی ہے۔

قرآن حکیم میں جہاں روح کی کیفیت و حقیقت کے متعلق سوال کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں اس کا مختصر اور جامع جواب بھی موجود ہے اور وہ اس ارشاد میں ہے کہ: (اے رسول!) وہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ بتا دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے اور تمہیں تو علم میں سے بہت ہی تھوڑا حصہ دیا گیا ہے (۱۷/۸۵)۔ اس جواب میں یہ فرما کر، کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے، یہ ارشاد کیا گیا ہے، کہ اگر روح کی

حقیقت سمجھنا ہے تو قرآن حکیم میں امر کے متعلق جو جو آیات وارد ہوئی ہیں ان کا غور و فکر سے مطالعہ کیا جائے' کیونکہ قرآن میں لفظِ امر کے جو معنی آئے ہیں' ان سب کا مفہوم روح کی روحانیت میں موجود ہے۔

روح اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی لقب ہے' مگر حقیقت تو یہ ہے' کہ دوسرے بڑے پیغمبر بھی روحانیت کے اس مقام پر نظر آتے ہیں جیسا' کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ :۔ **رفیع الدرجٰت ذو العرش یلقی الروح من امرہ علٰی من یشاء من عبادہ لینذر یوم التلاق** (۴۰/۱۵) بلند کرنے والا درجوں کو عرش والا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے امر سے روح ڈال دیتا ہے تاکہ ملاقات کے دن (یعنی قیامت) سے ڈرائے۔ ظاہر ہے' کہ یہ ارشاد تمام پیغمبروں کے حق میں ایک لازمی اصول اور ایک ضروری قانون کی حیثیت رکھتا ہے' کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے امر سے "الرّوح" یعنی روح القدس ڈال کر اس کا درجہ بلند کردیتا ہے اور اسے پیغمبر بناتا ہے' تاکہ وہ اپنی امت کو قیامت کے دن سے ڈرائے۔

چنانچہ یہی مفہوم اس ارشاد میں بھی ہے' جو انفرادی طور پر حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ :۔

انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللّٰہ و کلمتہ القٰھا الی مریم و روح منہ (۴/۱۷۱)۔ ماسوا اس کے نہیں ہے' کہ مسیح عیسیٰ ابنِ مریم اللہ تعالیٰ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے' جو اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف القا کیا اور اس کی طرف سے ایک روح ہے۔

شرحِ صدر

شرحِ صدر کے لفظی معنی ہیں سینے کو کشادہ کردینا، یعنی وسعت قلبی اور فراخدلی پیدا کردینا، جس سے انسانی نفس کی وسعت مراد ہے کیونکہ نفس کا مرکز دل و دماغ ہے، ہر چند کہ کشادگی اور تنگی روح اور نفس کی صفت نہیں جسم کی صفت ہے، تاہم عالمِ مثال جو لطیف اور روحانی ہے، پھیلاؤ اور کشادگی کے لحاظ سے اس کائنات کی طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:-

وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم و جنتہ عرضھا السمٰوات والارض اعدت للمتقین (۳/۱۳۳)

اور اپنے پرودگار کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کا پھیلاؤ سب آسمان اور زمین ہیں وہ پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

اس ارشاد سے یہ حکمت ظاہر ہے کہ مذکورہ بہشت اس کائنات کی روحانی صورت ہے، بالفاظِ دیگر یہ بہشت اس عظیم کائنات کی روح یعنی نفس کل کی صورت میں ہے یا اس مطلب کو اس طرح سے سمجھ لینا چاہئے کہ ہر

جسمانی چیز کی ایک روحانی لطیف صورت ہوا کرتی ہے' اسی طرح اس عظیم کائنات کی بھی ایک لطیف روحانی صورت ہے اور وہی عالمِ مثال اور مذکورہ بہشت ہے اور روحانی قسم کی انتہائی وسعت وکشادگی بھی وہی ہے۔

جب روحانی پھیلاؤ کا تصور معلوم ہوا' تو اب ہم شرحِ صدر کی مزید وضاحت کرتے ہیں' کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:۔

قلوبهم من ذكر الله ط اولٰئِكَ فی ضلال مبين (۲۲/ ۳۹) بھلا جس شخص کا سینہ خدا نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور (کی ہدایت) پر ہو (تو کیا وہ کسی گمراہ کے برابر ہو سکتا ہے) پس جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے ان کے لئے بڑی خرابی ہے' یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

اس آیۂ کریمہ سے یہ معلوم ہوا ہے' کہ مومن جب حقیقی محبت کی آگ میں پگھلتے ہوئے ذکرِ الٰہی میں ایسا مگن رہتا ہے' کہ وہ سوائے خدا کی یاد کے ہر چیز بھول جاتا ہے' یہاں تک کہ اسے اپنے آپ کی بھی خبر نہیں رہتی' کہ وہ بیدار ہے یا عالمِ خواب میں ہے' تو اس وقت اس کی روح میں وسعت پیدا ہونے لگتی ہے اور اس وسعت کے بعد نور نظر آنے لگتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں قرآن پاک کا ارشاد ہے:۔

الم نشرح لك صدرك (۱/ ۹۴) کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضورؐ کا قلب مبارک یعنی پاک روح کو انتہائی حد تک

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

وسیع کردی گئی تھی اورنتیجتاً آپ کی پاک روح میں ساری کائنات کی روحانی صورت نظر آتی تھی۔

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

کلمہ

یوحنا کی انجیل کے آغاز میں ہے کہ ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا' یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا' سب چیزیں اس کے وسیلہ سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی' اس میں زندگی تھی اور وہ زندگی آدمیوں کا نور تھی۔

انجیلِ مقدس کی مذکورہ آیت میں کلام یعنی بول کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے' فرمایا گیا ہے کہ اس عالم کے پیدا ہونے سے پہلے بول تھا' جس کو قرآن کی اصطلاح میں کلمہ کہا گیا ہے' انجیل کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے' کہ وہ بول ایک اعتبار سے خدا کے ساتھ تھا اور دوسرے اعتبار سے بول خود ہی خدا تھا' کیونکہ نور کی یہی صفت ہوا کرتی ہے' چنانچہ قرآن پاک کی آیت نور " **اللّٰہ نور السمٰوات والارض** " کی حکمت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ خود ہی آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے' پھر "مثلِ نورہ" کے ارشاد سے ظاہر ہے' کہ یہ نور خدا سے منسوب ہے' جبکہ آیت کے اگلے حصے میں فرمایا گیا ہے

ؑکہ خدا خود ہی نور ہے' پس معلوم ہوا ؑکہ کلمہ میں خدا کی صفات کا مشاہدہ اور معرفت موجود ہے' دوسرے الفاظ میں کلمہ خدا کے نور کا مظہر ہے یا یہ وہ خزانہ ہے جس میں خدا کے جمال و جلال کے گرانمایہ جواہر پوشیدہ ہیں۔

یہ کلمہ وہی ہے جس کا ذکر قرآن پاک کی بہت سی آیات میں موجود ہے' جیسا کہ سورۂ ابراہیم (۱۴) آیت ۲۴۔۲۵ میں ارشاد ہوا ہے کہ: **الم تر کیف ضرب اللّٰہ مثلاً کلمةً طیبةً کشجرة طیبۃ صلھا ثابت و فرعھا فی السماء توتی اکلھا فی کل حین باذن ربھا (۲۴۔۲۵۔۱۴)** ۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا' کہ اللہ تعالیٰ نے پاک کلمے کی مثال کیسی بیان فرمائی ہے' کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے' اس کی جڑ محکم ہے اور اس کی شاخ آسمان میں (پہنچی) ہے وہ اپنے پرودگار کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا ہے۔

انجیل مقدس اور قرآن حکیم کے مذکورہ ارشادات سے اس بات کی تحقیق ہوئی' کہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام اور حقیقی مومنین کی روحانیت و نورانیت کا سرچشمہ ایک ایسا کلمہ (بول) ہے' جو حق تعالیٰ کے علمی خزانوں کے لئے کلید کی حیثیت سے ہے' یہی کلمہ تھا جو حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو عطا فرمایا اور جس کی مثال آدمؑ میں خدا کی روح پھونکنے سے دی گئی ہے۔

یہی کلمہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں کو عطا ہوا تھا' جس میں ان کے لئے نورِ ہدایت اور فتح و نصرت کے اسرار پوشیدہ تھے جیسا کہ فرمانِ الٰہی میں ہے : **ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین (۱۷۱/۳۷)** اور یقیناً

ہمارے بھیجے ہوئے بندوں (پیغمبروں) کے لئے ہمارا کلمہ (یعنی بول) پہلے عمل میں آچکا ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام کے لئے اللہ جل جلالہ کا کلمہ وہی ہے جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔

قرآن کریم میں نہ صرف یہی ذکر ہے "کہ حق تعالیٰ نے سب پیغمبروں کو کلمۂ پاک (یعنی بول) عطا فرمایا تھا" بلکہ بعض پیغمبروں کے قصے میں اس کا نمایاں طور پر بھی تذکرہ ہوا ہے "جیسے حضرت ابراہیم کے بارے میں ارشاد ہے کہ: **واذا ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن** (۱۲۴ / ۲) اور (وہ وقت یاد کیجئے) جبکہ ابراہیم کے ربّ نے اس کا امتحان لیا چند کلمات سے تو اس نے انہیں پورا کر دیا۔ وہ کلمات اللہ تعالیٰ کے اسمائے عظام (بڑے بڑے نام) تھے۔

نیز حضرت مریم کے بارے میں ارشادِ باری ہے کہ: **فنفخنا فیہ من روحنا و صدقت بکلمٰت ربھا و کتبہ و کانت من القٰنتین** (۱۲ / ٦٦) پس ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اور اس نے اپنے پروردگار کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور فرمانبرداروں میں سے تھی۔ اس آیۂ مقدسہ کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے "کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات اور ہیں اور اس کی کتابیں اور ہیں" چنانچہ یہاں پر ظاہر ہے "کہ حضرت مریم علیہا السلام میں پہلے روحِ الٰہی پھونکی گئی تھی" وہ یہ کہ اس کلمہ (بول) دیا گیا تھا اور اس نے چند کلمات کی صحیح عبادت مکمل کر لی تھی "جس کے نتیجے میں اس کو روشنی مل گئی" پھر ان کلمات کی اس روشنی میں حضرت مریمؑ نے آسمانی کتابوں کی

حقیقت سمجھ لی' یہ ہوا خدا کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کرنا اور خدا کی فرمان برادری کرنا' کیونکہ خدا کے نزدیک کسی چیز کی تصدیق وہ نہیں جو اس چیز کی حقیقت سمجھے بغیر محض زبانی طور پر کہا جائے' کہ یہ چیز درست اور صحیح ہے' بلکہ حقیقی معنوں میں اس کی تصدیق یہ ہے کہ اس کی حقیقت سمجھ لی جائے' پس معلوم ہوا کہ روحانی طریق پر علمِ الٰہی سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے پہلے تو کلمہ کی حقیقی عبادت ہے اور اس کے بعد آسمانی کتاب۔

یہی کلمہ جو علمی عجائبات و معجزات سے بھرپور ہے' نبوت و امامت کے نور یعنی روح القدس کا حامل ہوا کرتا ہے' اور اس حقیقت کی قرآنی مثال یہ ہے کہ جو حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے' کہ :- "انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللّٰہ کلمتہ القھا الٰی مریم وروح منہ (۴/۱۷۱) ماسوا اس کے نہیں کہ مسیح عیسیٰ ابنِ مریم اللہ تعالیٰ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف القا کیا اور اس کی طرف سے ایک روح ہے۔

اگر کوئی صاحبِ بصیرت اس آیت کی حکمت پر ذرا غور کرے تو اسے یقیناً یہ حقیقت معلوم ہوگی' کہ جو عظیم معجزاتی کلمہ حضرت مریم کو بتایا گیا تھا' اس میں حضرت عیسیٰ روحانی اور نورانی حیثیت سے موجود تھا اور یہیں سے کئی بنیادی حقیقتوں کا انکشاف ہو جاتا ہے' جن میں سب سے پہلی حقیقت تو یہ ہے کہ جب یہ مانا گیا کہ حضرت عیسیٰ کا حقیقی وجود ایک معجزانہ کلمے میں پوشیدہ تھا' پھر یہ کہنا قطعاً غلط ہی ہوگا کہ بعد میں عیسیٰؑ کو یہودیوں نے قتل

کردیا تھا یا سولی پر چڑھا لیا تھا، کیونکہ حضرت عیسیٰؑ اپنے تمام معجزات کے ساتھ ایک پاک کلمے کے اندر محفوظ تھا، جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے کہ :- **وما قتلوہ و ما صلبوہ ولکن شبہ لھم** (۴/۱۵۷) انہوں نے نہ اس (حضرت عیسیٰ) کو قتل کیا اور نہ ہی اسے سولی دی، لیکن ان کو شبہ ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ حقیقت میں کلمہ اور روحِ قدسی تھا، پس یہود روح کو کس طرح قتل کر سکتے تھے، مگر ہاں انہوں نے حضرت عیسیٰ کے جسم کو قتل کیا، اسی لئے ان کو یہ شبہ ہو گیا تھا کہ انہوں نے خود حضرت عیسیٰؑ ہی کو قتل کر دیا ہے، جس طرح عوام الناس شہیدوں کے متعلق یہ گمان کرتے تھے کہ وہ مرے ہوئے ہیں، لیکن قرآن حکیم نے ان کا یہ گمان ممنوع قرار دیا اور انہیں بتایا کہ شہید حقیقت میں مرے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ وہ خدا کے نزدیک زندہ ہیں اور قرآن کی یہ تعلیم آلِ عمران (۳) آیت ۱۶۹ میں موجود ہے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ہی کی طرح دوسرے سب انبیاء و اولیاء علیہم السلام بھی کلمہ (اسمِ اعظم بول وغیرہ) میں پوشیدہ ہوا کرتے ہیں اور وہیں سے ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں، یعنی حق تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ ہر پیغمبر اور ہر امام کا نور یا کہ روح القدس مومنین کے لئے جو روحانی طور پر علم و حکمت کا سرچشمہ بنتی ہے، وہ اس معجزاتی کلمے کے توسط سے ہے، جیسا کہ قرآن پاک کے متذکرہ بالا ارشاد سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اس وقت بھی خدا کا رسول تھا، جب کہ وہ ایک خاص و پاک کلمہ اور روح کی صورت میں حضرت مریم کی طرف القا کیا گیا تھا۔

اب اس حقیقت کی ایک اور دلیل کہ کس طرح انبیاء و ائمہ علیہم السلام کا نور یعنی ان کی اصلی ہستی کلمہ (بول) میں پوشیدہ ہوا کرتی ہے، یہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ارشاد ہے کہ :- "وجعلها کلمۃ باقیۃ فی عقبہ لعلھم یرجعون (۲۸ / ۴۳) اور ابراہیم نے اس (نورِ نبوت و امامت) کو اپنی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ قرار دیا، تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کرتے رہیں۔ یعنی حضرت ابراہیم نے اپنی نبوت و امامت کے تمام اوصاف و خواص کو ایک پاک پُر حکمت کلمے کی حیثیت میں اپنی اولاد کے سپرد کردیا اور آلِ ابراہیم میں یہ معجزاتی کلمہ تا قیامت باقی ہے۔

نیز اسی سلسلے میں توضیح کی جاتی ہے کہ آنحضرتؐ کا روحانی و نورانی وجود بھی پاک کلمہ میں پوشیدہ ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ کا پاک قول ہے کہ: فاتقوا اللہ یآولی الالباب الذین اٰمنوا قد انزل اللہ الیکم ذکراً رسولاً یتلوا علیکم اٰیٰت اللہ مبینٰت لیخرج الذین اٰمنوا و عملوا الصٰلحٰت من الظلمٰت الی النور ۔ (۶۵/ ۱۱-۱۰)

پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اے عقل والو! جو ایمان لاچکے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ذکر کو اتارا ہے جو رسول ہے وہ تم پر اللہ تعالیٰ کی واضح آیتیں پڑھتا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لاچکے اور انہوں نے نیک اعمال کئے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے۔

اس آیۂ کریمہ کا خطاب ائمۂ اہلِ بیتؑ سے ہے، کیونکہ عقل اور ایمان کے درجۂ کمال پر وہی حضرات فائز ہیں اور آنحضرت کا نور ذکر کی حیثیت سے

انہی میں نازل کیا گیا ہے اور اسی لئے ان حضرات کو "اہلِ ذکر" کہا گیا ہے، یہی ذکر یا کہ کلمہ نبوت و امامت کا نور ہے، جس میں قرآن کی روشن اور زندہ حقیقتیں موجود ہیں اور یہ نور بصورتِ ذکر آئمۂ اطہارؑ میں اس لئے نازل ہوا ہے، تاکہ ان مومنین کو جو اچھے کام کرتے ہوں، اندھیروں سے نور کی طرف لایا جائے، پس اس بیان سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوا کہ آنحضرتؐ کا مقدس نور جو ایک امامؑ سے دوسرے امامؑ میں منتقل ہوتا ہوا چلا آیا ہے، وہ ذکر یا کہ کلمہ کی صورت میں کارفرما اور جلوہ فگن ہے۔

اس کلمے کے سلسلے میں عہدِ نبوت کے مومنین کے متعلق ارشاد ہے کہ:۔

فانزل اللّٰہ سکینتہ علیٰ رسولہ و علی المومنین والزمھم کلمۃ التقوٰی و کانوا احق بھا و اھلھا (۲۶/۴۸) ۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر تسکین نازل فرمائی اور تقویٰ کا کلمہ ان پر لازم کر دیا اور وہ اس کے بہت حقدار اور اس کے اہل تھے۔ اس آیت میں بطریقِ حکمت ارشاد ہوا ہے کہ جب مومنین عبادت و بندگی کے علاوہ دین کے سلسلے میں انتہائی عظیم خدمات بھی انجام دیتے ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان پر ایک خاص قسم کا روحانی سکون نازل فرماتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ معجزاتی کلمہ جو ان کو دیا گیا ہے، مومنین کے دل و دماغ میں خود بخود بولنے لگتا ہے، یعنی مومنین کے باطن میں شب و روز خود بخود ذکرِ الٰہی ہوتا رہتا ہے اور وہیں سے بے شمار معجزات کا سلسلہ جاری ہونے لگتا ہے۔

روح یا نور

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

روح القدس اور نورِ فی الاصل ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں، اس لئے ہم روحانیت کو نورانیت بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ روح اپنی ذات اور جوہر میں ہرگز تاریک نہیں، بلکہ یہ اپنے آپ میں ایک روشن عالم ہے جس کو عالمِ روحانی کہا جاتا ہے، روح کا نورانی عالم کی شکل و صورت میں ہونا ایک ایسی جامع حقیقت ہے، جس کی تشبیہ و تمثیل اس عظیم کائنات اور اس کی ساری چیزوں سے دی گئی ہے، چنانچہ اسی روح القدس کی نسبت سے انسان عالمِ صغیر کہلاتا ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ انسان عالمِ کبیر ہے اور ان دونوں عبارتوں کا فرق اسی طرح سمجھ لیجئے کہ انسان کا عالمِ صغیر ہونا یہ ہے کہ وہ اس کائنات کے اندر ہونے کے باوجود اپنی ذات یا کہ روحانیت میں ایک عالم ہے اور اس کے عالمِ کبیر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اگرچہ وہ ظاہراً اُس کائنات کے اندر محدود ہے، لیکن فی الحقیقت وہ اپنی اصلی روح (یعنی نفسِ کلی) میں ساری کائنات پر محیط ہے۔

روح کی دوسری تشبیہہ و تمثیل کتاب سے دی گئی ہے' کیونکہ یہ ایک ایسی جیتی جاگتی روشن کتاب ہے' کہ اس میں دنیا و آخرت کے جملہ احوالِ واقعی کی چلتی پھرتی تصویروں کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور اسی معنی میں روح القدس کو کتاب منیر (روشن کتاب) کہا گیا ہے' جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔ **ومن الناس من یجادل فی اللّٰہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتب منیر ہ** (۲۲/۸ ۳۱/۲۲۰) اور لوگوں میں سے ایسا شخص بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم' بغیر ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتا ہے۔

اس فرمانِ خداوندی میں خدا کی شناخت و معرفت کے متعلق یقین کے تین درجات کا ذکر آیا ہے' جن میں پہلا درجہ علم الیقین کا' دوسرا عین الیقین کا اور تیسرا درجہ حق الیقین کا ہے' یعنی اس آیت میں جس علم کا ذکر کیا گیا ہے، وہ علم الیقین ہے ہدایت کا مطلب عین الیقین ہے اور کتابِ منیر سے حق الیقین مراد ہے اور وہی یقین کا آخری درجہ ہے' پس معلوم ہوا کہ روح القدس جس مرتبے میں دونوں جہان کی زندہ اور روشن حقیقتوں کی حیثیت سے ہے' وہ مرتبۂ علم و ہدایت سے بھی برتر ہے' جس کی دلیل یہ ہے کہ علم کا مطلب راستہ اور منزل کے متعلق صحیح معلومات فراہم کرنا ہے' ہدایت کے معنی راستے پر منزلِ مقصود کی طرف چلنا ہے اور کتابِ منیر فی نفسہ منزلِ مقصود ہی ہے۔

روحانیت کے متذکرہ بالا درجات کا تجربہ کسی انسان کو صرف اسی صورت میں ممکن اور میسر ہوسکتا ہے' جس میں کہ وہ پیغمبرؐ اور امامِ زمانؑ کی

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

صحیح طور سے فرمانبرداری کرے' کیونکہ وہی حضرات روح القدس کے مظہر یا نورِ مجسم ہیں اور یہ بات قطعاً ناممکن ہے کہ ایک شخص روح القدس کے فیوض و برکات کو کماحقہ حاصل کر سکے' جبکہ وہ اس کے مظہر سے منہ موڑ رہا ہے' جیسا کہ قرآنِ مجید میں اس مطلب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ: جو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جرائیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو بے شک اللہ (بھی ان) کافروں کا دشمن ہے۔

واضح رہے کہ اس دنیا میں ایسا کافر کہیں بھی نہیں جو خدا' ملائک' انبیاء' جرائیل اور میکائیل کے وجود کو مانتے ہوئے ان پاک ہستیوں سے دشمنی کرتا ہو' یہ بات ناممکن ہی ہے' بلکہ وہ کوئی ایسا شخص ہو سکتا ہے جو مذکورۂ بالا مقدس ہستیوں کے مظاہر کو نہ پہچانے اور ان کی نافرمانی کرتے ہوئے دشمن بن جائے۔

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

قرآنی سوال وجواب حصۂ اوّل

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

سوال نمبر ۱

محترم برکت علی صاحب مقیم گارڈن ایسٹ، کراچی، سوال کرتے ہیں کہ: آپ نے ایک خط میں جو دینی باتوں پر مشتمل تھا، ہمیں یہ لکھا ہے کہ قرآن حکیم میں کوئی آیت ایسی نہیں جو اپنی مخصوص زبانِ حکمت سے امامِ حی و حاضر کی تعریف و توصیف نہ کرتی ہو اور اسماعیلیت کی تعلیم و تربیت نہ دیتی ہو۔ اگر فی الواقع آپ کا یہ دعویٰ حق بجانب ہے، تو سب سے پہلے آپ اس حیرت انگیز حقیقت کے ثبوت میں چند روشن دلیلیں پیش کریں، اس کے بعد آپ یہ بتائیں کہ قرآن حکیم کی آخری سورت کی آخری آیت "من الجنۃ و الناس" میں امام زمان یا اسماعیلیت کے متعلق اس نوعیت کی کون سی حکمت پوشیدہ ہے؟

جواب

دلیل نمبر ۱ : قرآن مجید چار حصوں میں نازل ہوا ہے، ان میں سے ایک

حصہ ظاہراً و باطناً مولانا مرتضیٰ علی علیہ السّلام (یعنی نورِ امامت) کی شان میں ہے، دوسرا حصہ نورِ علیؑ کے دشمنوں کی مذمت میں ہے، پس اس میں بھی اساسی طور پر شاہِ ولایت کی محبت و دوستی کی اہمیت مذکور ہے، تیسرے حصے میں قصے اور مثالیں ہیں، ان میں بھی جناب مرتضیٰ سرِّ خداؑ کا تذکرہ بطریقِ حکمت موجود ہے، کیونکہ یہ قصے اگرچہ ظاہراً پیغمبروں کے بارے میں ہیں، لیکن باطناً نورِ علیؑ کی شناخت کے متعلق ہیں، چنانچہ آنحضرتؐ کی حدیث ہے کہ:
"اے علیؑ آپ دوسرے تمام پیغمبروں کے ساتھ مخفی تھے اور میرے ساتھ آشکار ہوئے" اس طرح مثالوں میں بھی گوہرِ امامت کے حقائق و معارف بیان کئے گئے ہیں، چنانچہ خدا کی رسی، پاک درخت، خدا کا نور، سیدھی راہ، ام الکتاب، وغیرہ جیسی بے شمار مثالوں کا مقصد و منشاء علیؑ ہی کی ولایت و معرفت ہے، چوتھے حصے میں فرائض و احکام ہیں اور اس آخری حصے میں بھی نورِ امامت کا ذکرِ جمیل موجود ہے، کیونکہ فرائض و احکام کی بجا آوری ہی خدا، رسول اور اولوالامر کی اطاعت و فرمانبرداری ہے، یا یوں کہنا چاہئے کہ قرآن کے اس حصے میں اولوالامر (یعنی أئمۂ برحق) کی فرمانبرداری فرض کی گئی ہے، جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اے ایمان والو! خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور صاحبانِ امر کی اطاعت کرو۔" تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، میرا ایک مقالہ "قرآن اور حقیقتِ شیعیت" جس کو اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان نے یومِ امامت ۱۹۶۹ء کے موقع پر شائع کیا ہے۔

دلیل نمبر ۲: جب آنحضرت صلعم علم کا شہر اور حکمت کا گھر ہیں اور جناب

جناب علی مرتضیٰؑ اس شہر اور اس گھر کا دروازہ ہیں، تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہر آیت و حدیث کے علم و حکمت کو کوئی دانشمند صرف اسی صورت میں سمجھ سکتا ہے، جبکہ وہ ایمان و ایقان کے ساتھ نظریۂ امامت کی روشنی میں اس غور و فکر کرتا ہے، پس یہ حقیقت صاف طور پر ظاہر ہوئی کہ نظریۂ امامت قرآن و حدیث کے علم و حکمت کی کلید ہے۔

دلیل نمبر ۳ : یہ آپ کا اور ہمارا یقین ہے کہ بموجبِ ارشادِ قرآنی (۳۶/۱۲) حق تعالیٰ نے ہر چیز امامِ مبین میں محدود کر رکھی ہے، وہ اس طرح کہ امامؑ کی عقل تمام عقول پر حاوی ہے، امامؑ کی روح ساری ارواح پر محیط ہے اور امام کا نورانی جسم کل اجسام پر غالب ہے، بالکل اسی طرح امامت کے موضوع میں جملہ آسانی کتابوں کے موضوعات سموئے ہوئے ہیں، پس اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر قرآنی آیت کی حکمت نظریۂ امامت کی تعلیمات کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

دلیل نمبر ۴ : مولانا علی علیہ السّلام کا فرمان مبارک ہے کہ : **انا نقطة تحت باء بسم اللّٰہ** یعنی میں باءِ بسم اللہ کا نقطہ ہوں (جس میں جملہ قرآن کا علم و حکمت پوشیدہ ہے) اب اگر غور سے دیکھا جائے، تو بس یہی ایک نقطہ ہے، جس کو مختلف شکلوں میں کھینچ کر سارے حروف بنائے گئے ہیں، مثلاً الف کی ساخت کو دیکھئے کہ اس کے لکھنے میں اولاً قلم کی نوک سے نقطہ بنتا ہے، پھر اسی نقطہ کے کھینچنے سے الف کی شکل بنتی ہے اور دوسرے تمام حروف کا بھی یہی حال ہے کہ ان سب کی شکلیں اسی طرح نقطہ ہی سے بنی ہوئی ہیں۔

چنانچہ مولانا علی صلوٰۃ اللہ علیہ کہ اس کلام کی تاویل کہ آپ باء بسم اللہ کا نقطہ ہیں، یہ ہے کہ جس طرح نقطہ ہر حرف کی شکل و صورت میں پوشیدہ ہے، اسی طرح مولانا علیؑ کا ذکرِ جمیل ہر آیت کی حکمت میں پنہان ہے، نیز جس طرح بسم اللہ کے بغیر قرآن کا پڑھنا جائز نہیں اور باء کے بغیر بسم اللہ درست نہیں، اسی طرح نظریۂ ولایتِ علیؑ کے بغیر قرآن شریف کی تاویلیں کرنا جائز اور درست نہیں۔

دلیل نمبر ۵ : حق تعالیٰ کے ایک ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ کتابِ سماوی کا علم نورِ علیؑ کے پاس ہے (۴۳ / ۱۳)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص قرآن کا علم و حکمت حاصل کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ جان و دل سے امامِ وقت ہی کی طرف رجوع کرے، تاکہ امامِ عالی مقامؑ اپنی مخصوص ظاہری و باطنی ہدایت کے ذریعے سے قرآنی علم و حکمت کا دروازہ اس کے لئے کھول دیں، پس اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام قرآنی آیات کے علم و حکمت کی کلید اسماعیلیت اور امام شناسی ہی ہے۔

دلیل نمبر ٦ : قرآن حکیم علم و حکمت کی دنیا ہے اور نورِ امامت اس علمی دنیا کا سورج ہیں (١٦ / ۵)۔ جس طرح اس ظاہری سورج کی روشنی کے بغیر مادی دنیا کی کوئی شے نظر نہیں آسکتی، اسی طرح روحانی سورج کے بغیر علمی دنیا کی کوئی حقیقت و حکمت ظاہر نہیں ہوسکتی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر امام شناسی کی آنکھ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر قرآنی آیت کے ظاہر و باطن میں نورِ امامت ضیاء پاشی کررہا ہے، کیونکہ ظاہری سورج کی روشنی

صرف مادی چیزوں کی سطح تک محدود ہے، مگر روحانی سورج کی روشنی دنیائے علم و حکمت کے ظاہر و باطن کو جگمگا رہی ہے۔

دلیل نمبر ۷ : قرآن پاک کی یہ تعلیم ہے کہ آسمانی کتاب کی وراثت ان حضرات ہی کے لئے مخصوص ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ فرمایا ہے (۳۲ / ۳۵)۔ اور مولانا علیؑ کا کلام ہے کہ : **نحن اولائك** یعنی ہم (ائمۂ برحق) ہی وہ گروہ ہیں، چنانچہ معلوم ہوا کہ امامِ زمان ہی آسمانی کتاب کے وارث و مالک ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ نظریۂ امامت کے سہارے کے بغیر قرآنی آیات کی گہری حکمتوں تک رسائی ناممکن ہے۔

مندرجۂ بالا دلائل سے یہ حقیقت ثابت ہوئی کہ نظریۂ امامت اور اسماعیلیت کی تعلیمات ہر قرآنی آیت کی حکمت میں موجود ہیں۔

اب قرآن مجید کی آخری سورت کی آخری آیت "**من الجنة والناس**" کی حکمت بیان کی جاتی ہے : چنانچہ **من الجنة والناس** کے معنی ہیں جنوں میں سے اور انسانوں میں سے یعنی شیطان جس کا دوسرا نام خنّاس ہے جو انسانی سینوں میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے، وہ جنّوں میں سے بھی ہے اور انسانوں میں سے بھی۔

اس آیت کی تاویل (حکمت) یہ ہے کہ شاید آپ نے مذہبی کتابوں میں کہیں یہ قصہ پڑھا ہو گا کہ حضرت آدم خلیفۃ اللہ کے زمانے میں حارث مرّہ کے نام سے ایک شخص تھا جو آدمؑ کی فرمانبرداری سے روگردان ہونے کی وجہ سے خلیفۂ خدا کا دشمن اور اس دور کا شیطان و خنّاس مقرر ہوا تھا، چنانچہ اللہ

تعالیٰ کا یہی قانون ہر زمانے میں جاری و باقی ہے کہ جو شخص خلیفۂ وقت یعنی امامِ زمانؑ سے دشمنی کرے وہی شخص شیطان اور خنّاس ہے، خواہ وہ جنّوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے اور یہی خنّاس مکرو فریب اور جھوٹی باتوں کے ذریعہ آدمیوں کے سینوں میں وسوسہ ڈال کر امامِ برحقؑ کی معرفت کی راہ سے گمراہ کر دیتا ہے، جس کی بُرائی سے مومن کو لوگوں کے پروردگار کی پناہ لینی چاہیئے کہ لوگوں کا بادشاہ اور معبود ہے۔

اس مطلب کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب "پیر پندیاتِ جوانمردی" ص ۳۸ پیرا ۱۴۱ اور وجہ دین حصۂ اوّل ص ۱۳۱ تا ۱۳۵ نیز "رسالۂ در حقیقت دین" میں جگہ جگہ اس کا ذکر موجود ہے۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

سوال نمبر ۲

اسی طرح کراچی سے محترم عبدالعزیز صاحب "الٓمٓ" کے متعلق پوچھتے ہیں، اور وہ اس کے تاویلی خزانے سے کچھ حکمت جاننا چاہتے ہیں تاکہ ظاہر ہوجائے کہ امامِ حی و حاضر کی صفاتِ کمالیہ قرآن پاک کی حکمت میں موجود ہیں۔

جواب

نمبر ۱: "الٓمٓ" نورِ امامت کے بے شمار ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہ نام کتابِ حق الیقین کا درجہ رکھتا ہے، چنانچہ اس کے بعد ارشادِ خداوندی ہے "ذالک الکتاب لاریب فیہ" یعنی وہ کتاب جس میں کوئی شک نہیں، ظاہر ہے کہ جس کتاب میں کوئی شک نہ ہو اس میں یقین ہی یقین ہے، یعنی علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین، کیونکہ شک کے مقابلے میں یقین

ہے، جس طرح تاریکی کے مقابلے میں روشنی ہے، پھر یہ صفت کتابِ صامت (خاموش) کی نہیں، بلکہ کتابِ ناطق (بولنے والی) یعنی نورِ امامت کی ہے، جس کے ذریعہ لاعلمی کے شکوک و شبہات دور ہو سکتے ہیں، جیسا کہ مولانا مرتضیٰ علی صلوات اللہ علیہ کا ارشادِ گرامی ہے کہ : **"انا ذالک الکتاب لا ریب فیہ"** یعنی مولانا علیؑ فرماتے ہیں کہ **"الم ذالک الکتاب لا ریب فیہ"** کا اشارہ میری ذات (نور) کی طرف ہے۔

نمبر ۲ : **الٓمّٓ** کا بسط ملفوظی یہ ہے : الف لام میم، اس کا بسط حرفی یہ ہے: ال ف ل ا م م ی م، ان حروف کے اعداد اور مجموعہ یہ ہیں : ۱+ ۳۰+۸۰+۳۰+ ۱+۴۰+۴۰+۱۰+۴۰ برابر ہے ۲۷۲۔ دو سو بہتر کا جملِ اصغریہ ہے: ۲+۷+ ۲ برابر ہے ۱۱۔ گیارہ کا جملِ اصغریہ ہے: ۱+۱ برابر ہے ۲ جواب۔

اسمِ مبارک محمدؐ کے اعداد یہ ہیں: م ح م د برابر ہے ۴۰+۸+۴۰+۴ برابر ہے ۹۲۔ بیانوے کا اصغر: ۹+۲ برابر ہے ۱۱۔ گیارہ کا اصغر ہے ۱+۱ برابر ہے ۲ جواب۔

اسم مبارک علیؑ کے اعداد یہ ہیں : ع ل ی برابر ہے ۷۰+۳۰+۱۰ برابر ہے ۱۱۰۔ ایک سو دس کا اصغر ۰+۱+۱ برابر ہے ۱۱۔ گیارہ کا اصغر ۱+۱ برابر ہے ۲ جواب۔

پس اس کے معنی ہیں کہ محمد و علی کا نور ہی **الٓمّٓ** ہے اور یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

نمبر ۳ : **الم** (الف لام میم) یعنی ال ف ل ام م ی م۔ ان حروف کا عملِ تخلیص کیا یعنی ان کے اساسی حروف لئے تو یہ ہوئے ال ف م ی، ان کا لفظ یہ بنتا ہے : الفمی، اس کے معنی ہیں زبانی یعنی الم جو ایک کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں وہ تحریری نہیں بلکہ زبانی ہے یعنی وہ محمدؐ و علیؑ کا زندہ نور ہے۔

نمبر ۴ : **الم** کا عملِ تقلیب اس طرح سے ہے : الم۔ امل۔ لام۔ لما۔ مال۔ ملا۔ سب سے وسیع المعنی ہے، جس کی دو صورتیں ہیں : **مَلَا** اور **مَلَاءٌ**۔ ملا کا مطلب کائنات اور **ملاء** کے معنی سردار ہیں اور سردار سے ائمۂ برحق علیہ السلام مراد ہیں۔ پس اس اعتبار سے **الم** کی تاویل کائنات اور نورِ امامت ہے، یعنی ائمۂ برحق علیہم السلام کی تعلیمات اور ان کے نور کی روشنی میں کائنات ایک زندہ کتاب کی حیثیت رکھتی ہے، جس کے حقائق و معارف ایسے یقینی ہیں کہ ان میں ذرہ بھر بھی شک نہیں۔ یہی سبب ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ : **اللّٰہ نور السمٰوات والارض**۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے، یعنی خدا کے نور کی روشنی میں کتابِ کائنات کے حقائق و معارف کا ظاھراً و باطناً مطالعہ و مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

نمبر ۵ : **الم** کے حروف تین ہیں : ال م، ان کے اعداد اور اصغریہ ہیں : ۱+۳۰+۴۰ برابر ہے ۷۱، ۱+۷ برابر ہے ۸ جواب۔

اب حدودِ دین اور ان کے اصولی اعداد ملاحظہ ہوں۔ مستجیب ۱، ماذونِ محدود ۲، ماذونِ مطلق ۳، داعئ محدود ۴، داعئ مطلق ۵، حجتِ جزیرہ ۶، حجتِ

اعظم ۷، امام ۸، اساس ۹، ناطق ۱۰، نفسِ کل ۱۰۰، عقلِ کل ۱۰۰۰۔ اس اصول میں آٹھ کا عدد امام کے لئے مقرر ہے۔ پس اس کی تاویل یہ ہے کہ **الم** کا اشارہ امامِ عالی مقامؑ کی طرف ہے۔

نمبر ۶ : جیسے جواب نمبر ۲ سے ظاہر ہے کہ الف لام میم کے حروف کے اعداد کے مجموعے کا اصغر ۲ ہے، اسی طرح "الامام الوقت" کا اصغر بھی ۲ ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔

الامام الوقت : ال ام ام ال وق ت : ۱+۳۰+۱+۴۰+۱+۴۰+۱+۳۰+۶+۱۰۰+۴۰۰ برابر ہے ۶۵۰، ۰+۵+۶ برابر ہے ۵۶، ۶+۵ برابر ہے ۱۱، ۱+۱ برابر ہے ۲ جواب۔

پس معلوم ہوا کہ **الم** کے معنی الامام الوقت یعنی امامِ حاضر ہیں۔

نمبر ۷ : **الم** کے حروف تین ہیں یعنی ال م۔ ان میں الف کا اشارہ امام علیہ السلام کی عقل کی طرف ہے، لام کا ایماء امام کے نفس کی طرف ہے اور میم کا رمز امام کے جسم کی طرف ہے، کیونکہ امامؑ عقلِ کُل، نفسِ کُل اور جسمِ کل کا مظہر ہیں، چنانچہ امامؑ کی جسمانیت علم الیقین، روحانیت عین الیقین اور عقلانیت حق الیقین کی حیثیت رکھتی ہے، اسی لئے امام علیہ السّلام وہ کتاب ہیں کہ جس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

سوال نمبر ۳

محترم غلام عباس ساکن مرتضیٰ آباد بالا، ہونزہ۔ فی الحال مقیم کراچی ۔ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۴۰ کی حکمت پوچھتے ہیں:۔

بسم اللہ الرّحمان الرّحیم ۔ تحقیق جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا، تو ان کے واسطے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور وہ بہشت میں داخل نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ گزر جائے اور ہم اسی طرح گناہگاروں کو سزا دیتے ہیں۔

جواب

جاننا چاہئے کہ آیۂ مذکورۂ بالا میں "آیات اللہ" کا ذکر آیا ہے اور آیات اللہ یعنی خدا کے معجزات یا خدا کی نشانیوں کی مراد ائمۂ آلِ محمد علیہم السّلام ہیں، چنانچہ روئے زمین پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے معجزات اور نشانیاں یہی آئمۂ طاہرین علیہم الصلوات والسّلام ہیں، جیسا کہ مولانا مرتضیٰ علی علیہ السّلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ: انا آیات اللہ وامین اللہ یعنی میں خدا کے معجزات اور

اس کے علم و حکمت کا امانتدار ہوں۔ (مناقب مرتضوی فارسی ص ۷۷) یہ ارشادِ مبارک نورِ امامت کا ہے، جو اس وقت مولانا مرتضیٰ علیؑ میں جلوہ گر تھا اور یہی نورِ الٰہی جملہ ائمۂ کرامؑ کے سلسلے میں جلوہ فگن ہوتے ہوئے آیا ہے۔

اب اس حقیقت کا ثبوت کہ ائمۂ برحق علیہم السّلام آسمانِ روحانیت اور نورِ الٰہی کے ابواب ہیں، یہ ہے جو حضرت مولانا علی صلوات اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ: **انا باب اللّٰہ الذی قال اللّٰہ تعالیٰ ان الذین کذبوا بایتنا و استکبروا عنھا۔**"

(مناقب مرتضوی فارسی ص ۷٦) یعنی میں خدا کا وہ دروازہ ہوں کہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے۔

دوسرا ثبوت ان دو مشہور حدیثوں سے ظاہر ہے کہ حضورِ اکرمؐ علمِ الٰہی کا شہر ہیں اور مولانا علی مرتضیٰؑ اس کا دروازہ ہیں، نیز سرورِ کائنات حکمت لم یزلی کا گھر ہیں اور جناب مرتضیٰؑ اس کا دروازہ ہیں، پھر اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام ہی کے دروازے سے داخل ہونے کے بعد خدا اور رسولؐ کا علم و حکمت اور نورِ ازل ضرور مل جاتا ہے، پس ظاہر ہے کہ ائمۂ برحق اپنے اپنے وقت میں آسمانِ روحانیت (یعنی نورِ الٰہی) کے دروازے ہیں، جن کے کھل جانے سے مومنین بہشتِ برین میں داخل ہوجاتے ہیں اور ان کے ماسوا کو بہشت میں داخل ہوجانا اتنا ناممکن ہے، جتنا کہ اونٹ کو سوئی کے ناکے سے گذر جانا۔

سوال نمبر ۴

اسی طرح محترم امین مہروانی صاحب سورۂ فلق کی حکمت کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

جواب

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

قل۔ کہئے یعنی اے رسولِ اکرمؐ آپ ذاتی طور پر نیز اولوالامر (یعنی أئمۂ برحق) علیہم السلام کے توسط سے ظاہراً و باطناً لوگوں کو بطورِ تعلیم بتلا دیجئے۔

اعوذ برب الفلق کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں یعنی نور کے مالک کی پناہ میں اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہوں۔

من شر ما خلق۔ برائی سے جو پیدا کی ہے یعنی ہر اس بُرائی سے جو موجود ہے اور دینی اعتبار سے مضر اور نقصان دہ ہے۔

ومن شر غاسق اذا وقب۔ اور تاریکی کر دینے والی چیز کی بُرائی سے جب چھپ جائے یعنی اس شخص کی برائی سے بھی نور کے مالک کی پناہ لیتا ہوں، جو اپنی طرف سے دین میں جھوٹی روایتوں کی تاریکی پھیلا کر کہتا ہے کہ یہ پیغمبرؐ کی حدیث ہے، یا کہتا ہے کہ یہ فلان امام کا قول ہے وغیرہ اور اسی طرح وہ اس قول میں اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتا، جب ایسی باتیں پیغمبرؐ اور امامؑ کی نہیں، بلکہ یہ اس شخص کی جھوٹی باتیں ہیں تو یہ جہالت اور نافرمانی کی تاریکی ہے اور وہ شخص دین میں ایسی روحانی تاریکی پھیلا کر خود چھپ جاتا ہے۔ پس ایسے آدمی کی برائی سے بھی نورِ امامت کی پناہ لینی چاہئے۔

ومن شر النفّٰثٰت فی العقد۔ اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کی برائی سے۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ صاحبِ امر علیہ السلام دینی اور علمی اعتبار سے مرد کے درجے پر ہیں اور دوسرے تمام لوگ عورت کے درجے پر ہیں (ملاحظہ ہو وجہ دین حصۂ دوم ص ۲۰۱۔ ۲۱۰) جس طرح جادوگر عورتیں دھاگوں کی گرہوں میں منتر پھونک کر کسی پر جادو چلاتی ہیں، اسی طرح صاحبِ امرؑ کے مخالف علماء جو دین میں عورت کے مقام پر ہیں، دین کی آسان اور سادہ باتیں الجھا الجھا کر پیچیدہ مسائل بناتے ہیں اور ایسے مسائل کی گرہوں میں یہ مقصد پھونکتے ہیں کہ لوگ اس جادو کے اثر سے یہ ماننے کے لئے مجبور ہو جائیں کہ ایسے مسائل کا جاننے والا دینی علم میں یگانۂ روزگار ہے، اسی طرح مخالف علماء امامِ برحق کی معرفت سے لوگوں کو بھٹکا دیتے ہیں۔ پس ان دینی جادوگروں کی برائی سے بھی نورِ امامت کی پناہ لینی چاہئے۔

ومن شر حاسد اذا حسد اور حسد کرنے والے کی بُرائی سے جب حسد کرتا ہے یعنی جب پیغمبرؐ یا امامِ برحقؑ نورِ ہدایت کی روشنی میں کامیابی سے مومنین کی رہنمائی کرتے ہیں تو اس وقت ان کے دشمن حسد کرتے ہوئے ہر طرح کے مکروحیلہ اور ہر قسم کی برائی سے کام لینے لگتے ہیں اور ایسا وقت بھی بڑا خطرناک ہوتا ہے، پس مومن کو چاہئے کہ ایسے وقت میں بھی اپنے آپ کو نورِامامت کی ہدایت میں محفوظ رکھے۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

سوال نمبر ۵

محترم فتح علی حبیب آدم کالونی لسبیلا ہاؤس کراچی نمبر ۵ کی معرفت میری ایک روحانی بہن آیۂ درجِ ذیل کی حکمت پوچھتی ہیں :

ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذٰلک لمن یشآء و من یشرک باللّٰہ فقد ضل ضللاً بعیدا۔ (۴/۱۱۶)

بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا یہ کہ اس کے ساتھ شریک لایا جائے اور بخشتا ہے سوائے اس کے جس کو چاہے اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک لائے پس تحقیق گمراہ ہوا گمراہی دور کی۔

جواب

اس آیۂ کریمہ سے یہ مطلب صاف طور پر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک لانا ایک ایسا گناہِ کبیرہ ہے جو بخشا نہیں جا سکتا اور یہ ایک ایسی دور کی گمراہی ہے جس سے واپس سیدھی راہ پر کوئی انسان آ ہی نہیں سکتا، جب اس ارشادِ الٰہی کے بموجب ہمیں یہ معلوم ہوا کہ شرک کا نتیجہ صراطِ مستقیم سے گمراہی اور حق تعالیٰ کی بخشش سے محرومی ہے، تو اس کے معنی یہ

ہوئے کہ توحید کا نتیجہ راہِ راست کی ہدایت اور اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے' پس جو لوگ سرچشمۂ ہدایت یعنی امامِ حاضرؑ کے امر و فرمان سے وابستہ ہوں تو وہ اہلِ توحید ہیں اور شرک سے یہ بہت دور ہیں اور امام علیہ السّلام کے سرچشمۂ ہدایت ہونے میں مومن کو کوئی شک نہیں' چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے کہ:۔

انما انت منذر و لکل قوم ھاد

یعنی اے رسول اکرمؐ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم (یعنی ہر زمانے کے لوگوں) کے لئے ایک ہادی ہوا کرتا ہے اور معتبر بندوں سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ یہ آیۂ کریمہ نورِ امامت کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

چنانچہ جاننا چاہئے کہ شرک کی بہت سے قسمیں ہیں اور ان میں سب سے بڑا شرک یہ ہے کہ کوئی شخص خلیفۂ خدا یعنی امامِ زمان کے ساتھ شریک ٹھہرائے۔ دیکھئے وجہ دین حصۂ دوم ص ۱۸۱۔۱۸۸' جیسا کہ ابلیس نے اپنے آپ کو خلیفۂ خدا یعنی حضرت آدم علیہ السّلام کے ساتھ شریک ٹھرایا اور کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ پس اس کا یہ گناہ یعنی شرک ایسا سنگین تھا کہ نہیں بخشا گیا۔

یہی واقعہ حضرت نوح علیہ السّلام کے زمانے میں بھی ہوا کہ جو لوگ غرقابی کی وجہ سے ہلاک ہوئے وہ دراصل مشرک تھے' کیونکہ انہوں نے اپنی عقل کو خلیفۂ خدا کی عقل پر ترجیح دی اور اس کو دنیا والوں سے بے نظیر نہیں مانا' پس وہ لوگ ہادیٔ برحقؑ کی ہدایت سے انکار کر کے گمراہی میں اس قدر دور

گئے کہ ان کا دوبارہ راہِ راست پر آنا ناممکن تھا اور سب سے بڑے شرک کی علامت بس یہی تھی کہ اس کے بعد ہدایت اور مغفرت کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانے میں نمرود اور اس کی قوم جو مچھروں کے تباہ کن حملے سے ہلاک ہو گئی، اس کا سبب بھی یہی تھا کہ انہوں نے اپنے خلیفۂ وقت یعنی ابراہیم خلیل اللہؑ کو عقل و دانش کے اعتبار سے حقیر سمجھا۔ پس یہ بات حقیقت میں ایسی تھی جیسے انہوں نے (نعوذ باللہ) خدا کو حقیر سمجھا، آخر کار یہ لوگ ہدایت کے مرکز سے جدا ہو کر بہت دور کے گمراہ اور سب سے بڑے گناہ کے مرتکب ہو گئے، پس شرک کے معنی یہی ہیں۔

چنانچہ یہی انجام ان تمام امتوں کا بھی ہوا جو دوسرے پیغمبروں کے زمانے میں تھیں، جنہوں نے اپنے پیغمبروں کو خلافت و نیابتِ الٰہیہ میں بے شریک اور رشد و ہدایت میں یکتا نہیں مانا، پس وہ لوگ مشرک ہو گئے۔

اب اگر کوئی شخص مذکورۂ بالا حقائق کے باوجود بھی یہ اعتراض اٹھائے کہ شرک کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ خلیفۂ خدا یعنی پیغمبرؐ یا امامؑ کو لوگوں میں بے نظیر اور یکتا نہیں مانا، بلکہ اس کے معنی ہیں خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانا، جیسے آیۂ درجِ بالا سے یہ مطلب ظاہر ہے تو اس کے لئے میرا جواب یہ ہے کہ:

انبیاء اللہ کے تذکروں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جس ملک اور جس قوم میں بت پرستی کا آغاز ہوا یا جہاں کسی کافر بادشاہ نے "میں خدا

Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ہوں" کا نعرہ لگانا شروع کیا' تو اللہ تعالیٰ نے وہاں اپنی رحمت سے کسی پیغمبر کو مبعوث فرمایا' تاکہ بت پرستوں اور خدائی کے دعویٰ گروں کو ہدایت کر دی جائے' پس اگر یہ شرک وہ آخری شرک ہوتا جس کے بعد کوئی بخشش نہیں اور یہ گمراہی وہ انتہائی دور کی گمراہی ہوتی جس کے بعد ہدایتِ الٰہی کا کوئی ذریعہ باقی نہیں' بلکہ ایسے مجرموں کو کسی مہلت کے بغیر ابدی عذاب میں داخل کر دینا ہے' تو اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت اور بخشش کے لئے پیغمبر مبعوث نہ فرماتا چنانچہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ نمرود نے جب خدائی کا دعویٰ کیا' تو اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس حضرت ابراہیمؑ کو بھیجا اور جب فرعون نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کے پاس حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ بھیجے گئے' پس معلوم ہوا کہ بت پرستی' خود پرستی وغیرہ شرک ضرور ہیں' مگر یہ آخری اور سب سے بڑا شرک ہرگز نہیں' چنانچہ بت پرست اور خود پرست کافروں کا آخری فیصلہ قانونِ الٰہی کی رو سے اس طرح ہونا تھا کہ ان میں سے جو کوئی خلیفۂ خدا کے فرمان کو قبول کرے تو اس کے سب اگلے گناہ معاف کئے جائیں اور جو اس کے امر سے روگردان ہو تو اسے انتہائی دور کا گمراہ اور پرلے درجے کا مشرک قرار دے کر داخلِ جہنم کر دیا جائے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۵ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم یا فرد کو اس کے کسی گناہ کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہیں فرماتا' جب تک کہ کسی پیغمبر کے ذریعے سے اسے ہدایت نہ پہنچا دے' اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک انسان خدا کی ہستی سے منکر ہو جائے یا بت پرستی کرے یا خدا

کے ساتھ شریک ٹھرائے تو پھر بھی قانونِ الٰہی کی رو سے اس کا یہ گناہ آخری حد کا نہیں ہوتا کہ اس کو کسی تاخیر و مہلت کے بغیر دائمی عذاب میں گرفتار کر دیا جائے، بلکہ پیغمبرؑ یا امامؑ یا پیر یا داعی وغیرہ کے توسط سے ایسے شخص کو ہدایت پہنچا دی جاتی ہے، کیونکہ یہ ممکنات میں سے ہے کہ وہ اس ہدایت کے باعث اپنے گناہ سے باز آئے اور اگر اس نے پیغمبر اور امام علیہما السّلام کے امر سے سرکشی کی تو بس اسے قطعی مشرک قرار دے کر داخلِ جہنم کر دیا جاتا ہے۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

سوال نمبر ٦

میری خواہرِ روحانی مس زرینہ مہرعلی کراچی نمبر ۵ سے لکھتی ہیں : ''معززو محترم نصیر صاحب یا علی مدد ! براہِ کرم آپ ہمیں سورۂ فلق کی آیت 'ومن شرالنفثٰت فی العقد' کی حکمت سمجھا دیجئے۔''

جواب

میری روحانی بہن! مولا علی مدد!! واضح ہو کہ سوال نمبر ۴ میں میرے عزیز امین حاجی مہروانی صاحب نے پوری سورۂ فلق کے متعلق پوچھا تھا لہٰذا میں نے ان کے جواب میں سورۂ فلق کی تفسیرو تاویل لکھی ہے جس میں آپ کے اس سوال کا جواب تفصیلاً موجود ہے تاہم یہاں بھی اختصار سے لکھدیتا ہوں کہ :

ومن شرالنفثٰت فی العقد : اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کی برائی سے (بھی نور کے مالک کی پناہ لیتا ہوں) اس کی تاویل یہ ہے کہ صاحبِ امرؑ دینی و علمی اعتبار سے مرد کے درجے پر ہیں اور دوسرے تمام لوگ عورت کے درجے پر ہیں (ملاحظہ ہو : وجہِ دین حصۂ دوم ص ۲۰۱-۲۱۰) جس طرح جادو گر عورتیں دھاگوں کی گرہوں میں منتر پھونک کر کسی پر جادو چلاتی ہیں، اسی طرح صاحبِ امرؑ کے مخالف علماء جو دین میں عورت کے مقام پر ہیں، دین کی آسان اور سادہ باتیں الجھا الجھا کر پیچیدہ مسائل بناتے ہیں اور ایسے مسائل کی گرہوں میں یہ مقصد پھونکتے ہیں، کہ لوگ اس جادو کے اثر سے یہ ماننے کے لئے مجبور ہو جائیں، کہ ایسے مسائل کا جاننے والا دینی علم میں زبردست عالم ہے اور اس کا کوئی ثانی نہیں، اسی طرح مخالف علماء امامِ حقؑ کی معرفت سے لوگوں کو گمراہ کر دیتے ہیں، پس ان دینی جادوگروں کی برائی سے بھی نورِ امامت کی پناہ لینی چاہئے۔

سپاسنامہ

آج ہم اس مجلس میں اپنے علمی و روحانی معلّم خصوصی علّامہ نصیرالدّین نصیر ہونزائی صاحب (جو کہ ایک طویل مدت ہمارے درمیان رہ کر ہمیں روحانیت کی ہر اعلیٰ قسم کے علم کی روشنی سے منور کرنے کے بعد طبیعت کی ناسازگی کی وجہ سے کچھ وقت کے لئے ہم سے رخصت ہو رہے ہیں) کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت و محبت پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

اہلِ دانش اور علم دوست حضرات میں بہت ہی کم افراد ایسے ہوں گے جو علّامہ نصیرالدّین صاحب کی شخصیت سے ناواقف ہوں اور ان کے روحانی علوم و معارف سے فیضیاب نہ ہوئے ہوں' چنانچہ گذشتہ چھ سات سال سے اسماعیلیہ ایسوسی ایشن کے زیرِ تربیت واعظین جس کامیاب طریق پر علمِ حقیقت کی روشنی سے منور ہوئے ہیں' اس کا سہرا بالخصوص علّامہ نصیرالدّین کے سر پر ہے۔

علّامہ نصیرالدّین صاحب نے اسماعیلیہ ایسوسی ایشن کے زیرِ نگرانی واعظین کو جس بہتر اصول سے تعلیم دی ہے' اس کی ایک زندہ مثال وہ

واعظین ہیں جو آج سے پہلے تقریباً تین سال تک آپ کے زیرِ تعلیم رہے' اور اس وقت وہ تمام اعلیٰ پائے کے واعظین میں اپنا درجہ رکھتے ہیں' یہاں ان سے میرا مطلب وہ طالبِ علم ہیں جو بمبئی' ڈغاسکر' ڈھاکہ اور مغربی پاکستان کے دیگر علاقوں سے آئے تھے' جو علّامہ صاحب کی صحبت میں رہ کر بہت ہی کم عرصے میں عدیم المثال ترقی کر کے علم کے آسمان کے روشن ستاروں کی طرح چمکنے لگے۔

علّامہ نصیر الدّین نصیر ہونزائی صاحب کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کے متعلق کچھ کہنا کوئی نئی بات نہیں ہے' کیونکہ ایک خوشبودار پھول کے بارے میں جبکہ اس میں سے ہمیشہ خوشبو مہک رہی ہو' یہ کہنا کہ اس میں خوشبو ہے کوئی نئی بات نہیں' کیونکہ اس کے متعلق کچھ بیان کئے بغیر بھی لوگ اس کی خوشبو کو محسوس کر لیتے ہیں اور اس کے بارے میں یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ اس میں خوشبو ہے' اسی طرح علّامہ صاحب جو کہ مولائے زمین و زمان کی روحانیت اور عشق کے باغ کے پھول کی حیثیت سے ہیں اور جس سے ہمیشہ معرفت کی خوشبو مہک اٹھتی ہے ان کے متعلق جو بھی تعریف و توصیف کے طور پر کہا جائے وہ ان کی شخصیت کو عیاں نہیں کر سکتا' جو صاحبان پندرہ سال یا اس سے بھی زیادہ عرصے سے علّامہ صاحب کی علمی صحبت میں رہے ہیں' وہ بھی ان کے علم کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔

حجتِ خراسان پیر حکیم ناصر خسرو قدس اللہ سرہ کے علوم اور فلسفے (جو اسماعیلی دین کے بنیادی فلسفے کی حیثیت سے ہیں) کو جس حد تک آپ حضرت

نے سمجھا ہے' شاید ہی کوئی اور سمجھا ہو اور یہی وجہ ہے کہ آپ کا طریقِ تعلیم و تصانیف کافی حد تک حکیم ناصر خسرو قدس اللہ سرہ سے مشابہ ہے' اس میں کوئی مبالغہ نہیں' جبکہ ہماری موجودہ اسماعیلی جماعت جو ہندوستان' پاکستان اور افریقہ کے مختلف علاقوں میں بستی ہے' ناصر خسرو کی تعلیمات سے بالکل بے بہرہ ہے' بلکہ اس حد تک کہ ہماری جماعت کی اکثریت حکیم ناصر خسرو حجتِ خراسان کے نام سے بھی واقف نہیں' ایسی حالت میں علاّمہ صاحب کا یہ ایک عظیم کارنامہ ہے' کہ انہوں نے حکیم ناصر خسرو کی گرانمایہ تصنیف "وجہ دین" جیسی ضخیم کتاب کا اردو ترجمہ کرکے اسماعیلی مذہب و قوم کی ایک عظیم خدمت انجام دی ہے' اس کے علاوہ آپ کی دیگر تصنیفات بھی حکیم ناصر خسرو (ق س) کے فلسفے کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتی ہیں' آپ کی چند تصنیفات جیسے میزان الحقائق' سلسلۂ نورِ امامت اور مفتاح الحکمت ایسی کتابیں ہیں' جن میں موجودہ سائنسی انکشافات کے بعد پیدا ہونے والے تمام سوالات کے جوابات سمو دیئے گئے ہیں' آپ نے اپنی ایک کتاب "فلسفۂ دعا" میں ہماری مقدس دعا کے فلسفے اور حکمت کو جس خوش اسلوبی سے اجاگر کر دیا ہے' اس کو دیکھ کر ایک علم شناس شخص بے ساختہ یہ کہہ اٹھتا ہے کہ آج تک کسی بھی اسماعیلی عالم کی نگاہ اس گہرائی تک نہیں پہنچی ہے۔

بعض اوقات جماعت کے چند افراد آپ حضرت کی تصنیفات کے متعلق پریشانی اور الجھن کا اظہار کرتے ہیں' کہ نصیر کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی تعلیمات و تصنیفات سے کماحقہ

مستفیض وہی شخص ہو سکتا ہے جو آپ کے طریقِ تعلیم اور طرزِ تصنیف سے مانوس ہو' چنانچہ جو شخص جتنا زیادہ وقت آپ کی صحبت میں گزارے وہ بہتر طریقے سے آپ کے علم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے' کیونکہ علمِ حقیقت اور تاویل کے میدان میں کوئی نووارد آپ کے علم سے فوراً کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا' بلکہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے آپ کی صحبت میں رہ کر یا آپ کی تمام کتابوں کو بار بار پڑھ کر یا آپ کی جملہ تقاریر میں حاضر ہو کر' ان کو سن کر' ان پر غور و فکر کرے یا آپ سے تعلیم حاصل کرنے والے کسی طالبِ علم کے ساتھ کچھ وقت رہ کر نصیر صاحب کے طرزِ تعلیم کا مطالعہ کرے' تب ہی وہ اپنے دل میں علمِ حقیقت کی کوئی بات اتار سکتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ علاّمہ نصیر الدّین نصیر ہونزائی صاحب ایک بہت بڑے عالم ہیں' لیکن ان کے علم کو کتاب کی طرف منسوب کرنا یعنی یہ کہنا کہ آپ نے اس علم کو ہزاروں کتابیں چھان مارنے کے بعد حاصل کیا ہے' آپ کی علمی حیثیت کے ساتھ بڑی بے انصافی ہے' چونکہ آپ کا یہ علم کتابی نہیں ہے چنانچہ جو حضرات برسوں سے آپ کے زیرِ تعلیم رہے ہیں' وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ حقائق و معارف کے سمجھانے میں آپ نے نہ تو کبھی کسی غیر اسماعیلی مصنف کی کتاب سے کوئی مدد لی ہے اور نہ ہی قرآن و حدیث اور چند اسماعیلی کتب کے سوا کسی اور کتاب کا حوالہ دیا ہے' آپ کا یہ علم عطائی علم ہے اور یہ تو آپ سے تعلیم پانے والا کوئی شاگرد ہی سمجھ سکتا ہے کہ آپ ایک پیرِ کامل اور روحانی بزرگ کی طرح وہی کچھ بتاتے ہیں' جو

عبادت اور ریاضت کے درمیان آپ کے تجربات میں آئے ہیں۔

علاّمہ نصیرالدین نصیرؔ ہونزائی صاحب کے اخلاقِ حسنہ کے متعلق کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، کیونکہ آپ سر تاپا اخلاقِ حسنہ کے جواہر سے مزین ہیں، ایک طویل مدت تک آپ کی علمی صحبت میں رہنے والے کسی بھی شاگرد نے کبھی آپ کو ناراض، چین بجبین یا کسی کو علمی یا روحانی مشورہ دیتے ہوئے تھکاوٹ یا بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، آپ چاہے کتنے بھی مصروف کیوں نہ ہوں، جسمانی طور پر اپنی عمر کے تقاضے کے مطابق کتنے تھکے ہوئے کیوں نہ ہوں، جب کبھی آپ سے کسی شاگرد نے علمی یا روحانی مشورہ چاہا، تو آپ اس کے ساتھ پدرانہ شفقت سے پیش آتے اور جب تک وہ شاگرد مطمئن ہو کر خود رخصت نہ ہو جائے، آپ اسے رخصت ہونے کو نہیں فرماتے۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ آپ اپنی کچھ جسمانی تکلیف اور نادرستیٔ صحت کی وجہ سے کچھ مدت کے لئے ہم سے جدا ہو رہے ہیں، لیکن ہم اپنے محترم استاد کو یقین دلانا چاہتے ہیں، کہ اس مختصر عرصے میں بھی ان کے بغیر ہمیں علمی طور پر بہت کچھ کمی محسوس ہوگی اور ہماری روح آپ کے علم سے مستفیض ہونے کے لئے پھر سے ملنے تک بے چین رہے گی، پھر بھی ہم امید کرتے ہیں کہ جیسا کہ آپ حضرت نے ہمیشہ کیا ہے، ایسا اس مرتبہ بھی بوقتِ ضرورت خط و کتابت کے ذریعہ ہماری رہنمائی فرماتے رہیں گے۔

اخیر میں مولائے زمین و زمان کی بارگاہ میں دل کی گہرائیوں سے ہماری دعا

ہے کہ مولا آپ کو جلد از جلد صحت یاب کردے! لمبی سے لمبی پُر صحت عمر عطا فرمائے! قوم اور مذہب کی خدمت کرنے کی اور بھی توفیق و ہمت عطا فرمائے اور ہمیں آخری دم تک آپ سے تعلیم حاصل کرنے کا موقع عنایت فرمائے! آمین!

منجانب واعظین کلاس، اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان

ماہِ اگست ۱۹۷۰

ابجد کے اعداد

ا	ب	ج	د	ھ	و	ز	ح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
ط	ی	ک	ل	م	ن	س	ع
۹	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰
ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ
۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰
ذ	ض	ظ	غ				
۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰				

نوٹ: بسلسلۂ "قرآنی سوال و جواب" سوال نمبر۲ میں یا دیگر اسماعیلی کتب میں جہاں کہیں بھی عددی تاویل اور علم جفر کی روشنی میں جو دلائل یا جوابات دئے گئے ہیں، ان کو سمجھنے کے لئے اس جدول کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

چند علمی سوالات

(اسی کتاب کو بار بار پڑھ کر یہ اور اسی قسم کے دوسرے بے شمار سوالات حل کئے جاسکتے ہیں)۔

۱۔ سیارۂ زمین کا اولین انسان کس نام سے مشہور ہے؟

۲۔ علمِ روحانیت کی تاریخ انسانیت سے بھی زیادہ قدیم ہونے کا ثبوت کیا ہے؟

۳۔ کیا آنے والے زمانے میں علمِ روحانیت کی زیادہ سے زیادہ ضرورت پیش آئے گی اور کیوں؟

۴۔ نظریۂ اسماعیلیت کے مطابق روحانیت کی تعریف کیا ہے؟

۵۔ نورِ مطلق کسے کہتے ہیں؟

۶۔ روح الاعظم، روح الوحی، روح الارواح، روح الایمان، روح الرّوح، روحِ عالم، روح القرآن، اور روح الذّکر میں سے ہر ایک کی جدا جدا تشریح کیجئے۔

۷۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پاک نور سے حضرت آدم علیہ السّلام کی ذات کو کس طرح منور کر دیا؟

۸۔ روح کے لطیف و بسیط ہونے کا مطلب سمجھاؤ۔

۹۔ قرآن حکیم میں زیادہ سے زیادہ کتنی آیتوں میں روح اور روحانیت کا تذکرہ آیا ہے؟ ان کے حوالے دیجئے۔

۱۰۔ پانی اور سمندر کی مثالوں سے روح کی کچھ حقیقتیں سمجھا دیجئے۔

۱۱۔ کیا حقیقت کی رو سے سارے انسان بنی آدم کہلا سکتے ہیں؟ یا ان میں کچھ تخصیص بھی ہے؟

۱۲۔ عزرائیلؑ کس طرح روحوں کو قبض کر لیتا ہے؟

۱۳۔ کیا پنج تن پاک میں مجموعاً ایک روح تھی یا پانچ روحیں؟

۱۴۔ حزب اللہ پر ایک چھوٹا سا مضمون لکھئے۔

۱۵۔ روح الامین کے بارے میں پانچ سوال ایسے لکھئے جو اس کتاب کے پڑھنے سے پیدا ہوئے ہیں۔

۱۶۔ حق تعالیٰ کے کلام اور وحی میں کیا فرق ہے؟ نیز بتایئے کہ وحی کی کتنی قسمیں ہیں؟

۱۷۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ظاہراً کوئی عورت پیغمبر نہیں ہوئی ہے، لیکن اگر کوئی شخص یہ منطقی سوال پیش کرے کہ پیغام بر (پیغمبر) کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم لانے والے کو، چنانچہ حضرت مریمؑ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم بطورِ اشارہ لوگوں سے کہہ دینا کہ میں نے آج نہ بولنے کا روزہ رکھا

ہوا ہے، اس لئے میں تمہارے ساتھ گفتگو نہ کروں گی اور یہ حکم اس نے پہنچا دیا۔ ایسے سوال کا مناسب اور موزوں جواب کیا ہونا چاہئے؟

۱۸۔ بتائے کہ حضورِ اکرمؐ کے سینۂ مبارک کو کس طرح پاک وصاف اور کشادہ کردیا گیا تھا؟

۱۹۔ حق تعالیٰ نے آیۂ نور میں فرمایا ہے کہ میں خود بلندی و پستی کا نور ہوں پھر اسی آیت میں مثال دیتے ہوئے بہ اندازِ حکمت یہ ارشاد فرماتا ہے کہ ایسا نور میرا نور ہے، کیا آپ اس کی عظیم ترین حکمت کو سمجھ سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو آپ اپنی ذات کے متعلق سوچ کر بتایئے کہ "میں" اور "میرے" کے درمیان کیا فرق ہے؟ مثلاً آپ جب کہتے ہیں کہ میری عقل، میری روح اور میرا جسم، پھر ان الفاظ کے کہنے کے بعد بتایئے کہ "میں" کس حقیقت کا نام ہے؟

Table of Contents